افسانہ و حقیقت

آیت اللہ ڈاکٹر سید نیاز محمد ہمدانی

بسم الله الرحمٰن الرحيم

فہرست عناوین

1۔حرف آغاز 5
2۔اہم وضاحت 7
3۔پاکستان میں ولایت فقیہ.................................. 9
4۔ تمہید..14
5۔مومنین کی ولایت 16
6۔علماء وفقہاء کی ولایت........................ 17
7۔ فقیہ کے معنی.. 18
8۔ برادران اہل سنت کے استدلالات........................... 19
9۔ پہلی دلیل :مقبولہ عمر ابن حنظلہ.................................. 20
10۔جواز حاکمیت کا مسئل... 24
11۔ حکم کے اختیارات 27
12۔دوسری دلیل 35
13۔ایک ضروری وضاحت................................... 39
14۔تیسری دلیل 42
15۔ چوتھی دلیل..44
16۔پانچویں دلیل..46
17۔چھٹی دلیل...47
18۔ساتویں دلیل...48
19۔ایک سوال اور اس کا جواب...51

انتساب:

امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے نام

جنہوں نے فرمایا تھا کہ اگر ساری کائنات

اور اس کی ساری دولت مجھے دے دی جائے

اور اس کے بدلے میں مجھ سے یہ کہا جائے

کہ ایک چیونٹی کے معاملے میں اللہ کی اتنی سی

نافرمانی کروں کہ اس سے جو کا چھلکا چھین لوں

تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔

(نہج البلاغہ خطبہ 221)

حرف آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولینا ابی القاسم محمد

وآلہ الطیبین الطاھرین المعصومین

مسئلہ ولایت فقیہ فقہ کی تحقیقی اور استدلالی کتب میں ہمیشہ فقہاء کے زیر بحث رہا ہے اور اس پر فقہاء کے درمیان اختلاف رائے بھی موجود رہا ہے۔لیکن انقلاب ایران کے بعد اس مسئلہ نے زیادہ اہمیت اختیار کر لی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انقلاب ایران کے بعد آیت اللہ خمینیؒ نے اپنے مخصوص نظریہ ولایت فقیہ کی بنیاد پر ایک سیاسی نظام کی بنیاد رکھی اور پھر بہت زور وشور سے اس کا پرچار شروع کر دیا۔

ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ایران میں یا دنیا کے کسی اور ملک میں کونسا نظام حکومت برسر کار ہے۔ یہ خالصتاً ہر ملک کے عوام کا اپنا مسئلہ ہے کہ وہ کس نظام کو پسند کرتے ہیں اور کن لوگوں کو حق حکومت دیتے ہیں۔لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں کچھ عناصر نے ایرانی نظریہ ولایت فقیہ کی وکالت اور پرچار کا کام شروع کر دیا کہ ایران کے ولی فقیہ کو ساری دنیا کے شیعہ عوام پر حاکمیت حاصل ہے اور جو ان کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔اس سلسلے میں اس حد تک غلو کیا گیا کہ ایران کے ولی فقیہ کو نمائندہ امام زمانہ سلام اللہ علیہ، زمانے کا حسین اور زمانے کا علی جیسے القاب سے یاد کیا جانے لگا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام زمانہ کے چوتھے نائب کی وفات کے بعد کوئی نائب امام زمانہ نہیں ہے۔زمانے کا حسین اور زمانے کا علی بھی اگر کوئی ہے تو وہ حضرت امام زمانہ علیہ السلام ہیں اور کوئی نہیں۔

اس گروہ کے اس طرز عمل کے کئی نقصانات ہوئے لیکن سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پاکستان کے غیر

شیعہ عوام میں اور پاکستان کے مقتدر حلقوں میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ پاکستان کے شیعہ رہتے تو پاکستان میں ہیں لیکن ان کی وفاداریاں ایران کے ساتھ ہیں اور یہ ایران کے اشاروں پر چلنے والی قوم ہے۔اس طرح پاکستان سے ان کی وفاداری مشکوک ہوگئی۔ان عناصر کے اس غیر ذمہ دارانہ طرز عمل سے پاکستان کے شیعہ عوام کو اور بھی نقصانات اٹھانا پڑے ہیں۔اس کے ردعمل میں دوسرے فرقے کے انتہا پسندوں نے بھی غیر ملکی آقاؤں کی امداد کے ذریعے اپنا مخصوص ایجنڈا نافذ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔پھر اس صورت حال کا جو نتیجہ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

کچھ عرصہ قبل 25 مارچ 2012 کو میں نے ایران کے ولی فقیہ آیت اللہ سید علی خامنہ ای کو ای میل کے ذریعے ولایت فقیہ کے مسئلہ پر چھ سوال ارسال کیئے تھے۔اگر وہ ان سوالوں کا جواب دے دیتے تو یقیناً اس کا بہت زیادہ فائدہ ہوتا۔لیکن ان کی طرف سے یا ان کے دفتر کی طرف سے کوئی جوابات نہیں دیئے گئے۔بعد میں ایک مقدمہ اور اختتامیہ کا اضافہ کر کے ان سوالات کو ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کر دیا گیا۔کچھ جذباتی افراد کی طرف سے اس اقدام کو پسند نہیں کیا گیا کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ اس سے ملت میں اختلاف اور انتشار بڑھے گا اور یہ بھی کہ اس سے ولایت فقیہ کی مقدس گائے کی توہین ہوگی۔لیکن سلجھے ہوئے اور سمجھدار طبقوں کی طرف سے اس کی کافی پذیرائی ہوئی۔اسی سے حوصلہ پا کر یہ کتابچہ تحریر کرنے کا حوصلہ ملا۔

زیر نظر کتابچہ ''ولایت فقیہ: افسانہ و حقیقت'' مسئلہ ولایت فقیہ کے علمی اور استدالی پہلو کا ایک تحقیقی جائزہ ہے۔اس میں ان احادیث کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے جن سے ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس کاوش کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ان احادیث کی روشنی میں جو ولایت فقیہ ثابت ہوتی ہے وہ اصل میں کیا ہے اور اسے کیسا افسانہ بنا دیا گیا ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ اس حساس موضوع کو ہر قسم کی جذباتی وابستگی سے بالاتر ہو کر خالص علمی انداز میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔علمی اور فکری مسائل پر جذباتی رویہ اپنانا جہالت ہوتا ہے۔جو قومیں علمی و فکری مسائل پر جذباتی رویے اپناتی ہیں، وہ اپنے اوپر علمی اور فکری ترقی کے راستے بند کر دیتی ہیں اور علمی و فکری ترقی کی دوڑ میں کبھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

اہم وضاحت:

ولایت فقیہ کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے کچھ باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ان کا ذکر ہم نے اپنے گزشتہ پمفلٹ میں کیا ہے۔ان کی اہمیت کے پیش نظر تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یہاں بھی پیش کیا جارہا ہے کیونکہ اس کے بغیر مسئلہ ولایت فقیہ پر بات تشنہ رہ جائے گی۔

مسئلہ ولایت فقیہ کے دو پہلو ہیں: ایک نظریاتی اور دوسرا عملی۔ جہاں تک نظریاتی پہلو کا تعلق ہے تو اس بات پر شیعہ فقہاء میں ہمیشہ اتفاق پایا گیا ہے کہ فقیہ کو غیر فقیہ پر ولایت حاصل ہے۔لیکن اس بات میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے کہ غیر فقیہ پر فقیہ کی ولایت کی حدود کیا ہیں اور یہ کہ اس ولایت کی رو سے فقیہ کے فرائض و اختیارات کیا ہیں۔اس سلسلے میں تین نظریات پائے جاتے ہیں:

ایک یہ کہ فقیہ کو غیر فقیہ پر فتویٰ کی ولایت حاصل ہے۔اس نظریے کے مطابق ولایت فقیہ یہ ہے کہ غیر فقیہ اپنے دینی معاملات میں فقیہ سے فتویٰ طلب کرے،فقیہ کا فرض ہے کہ وہ فتویٰ دے اور غیر فقیہ کا فرض ہے کہ اس فتویٰ کے مطابق عمل کرے۔اس نقطہ نظر کے مطابق ولایت فقیہ یہی ہے،اس کے سوا کچھ نہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ فقیہ کو اختلافات کا فیصلہ کرنے کی ولایت (ولایت قضاء) بھی حاصل ہے۔یعنی اگر لوگوں میں جھگڑے اور اختلافات ہوں تو ان کا فرض ہے کہ وہ فقیہ کی طرف رجوع کریں اور ان کے اختلاف کا جو فیصلہ فقیہ کردے دونوں فریق اسے تسلیم کریں۔

تیسری رائے یہ ہے کہ فقیہ کو یہ ولایت حاصل ہے کہ وہ معاشرے میں اسلام کو نافذ کرے۔اس نظریے کے موجد آیت اللہ خمینی تھے۔امام خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ کو سادہ الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ جامع الشرائط فقیہ کی حاکمیت میں ملکی امور کو فقہ جعفریہ کے مطابق چلانا۔یعنی جامع الشرائط مجتہد کی حاکمیت میں ملک میں فقہ جعفریہ کو نافذ کرنا۔وہ اس سلسلے میں اس قدر آگے چلے گئے تھے کہ ان کی نظر میں ولی فقیہ کو وہی اختیارات حاصل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے امام معصوم علیہ السلام کو دے رکھے ہیں۔حالانکہ واضح سی بات ہے کہ اگر غیر فقیہ کو وہ ولایت حاصل نہیں ہے جو فقیہ ہونے کی وجہ سے فقیہ کو حاصل ہے تو غیر معصوم ہوتے ہوئے فقیہ کو وہ ولایت اور اختیارات کیسے حاصل ہو سکتے ہیں جو عصمت کی وجہ سے امام معصوم کو حاصل ہوتے ہیں۔

یہاں اس نکتے کا ذکر بھی بہت ضروری ہے کہ اگر مخلوق کے حق میں اتنا غلو کیا جائے کہ اسے خالق کے مرتبہ تک پہنچا دیا جائے تو یہ یقینی طور پر شرک ہے۔اسی طرح اگر کسی غیر معصوم کے حق میں ایسا غلو کیا جائے کہ اسے امام معصوم کے درجہ تک پہنچا دیا جائے تو یہ بھی یقینی طور پر بہت بڑی گمراہی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انقلاب ایران کے بعد جب ولایت فقیہ کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے تو اس سے مراد تیسرا نظریہ ہوتا ہے جس کے بانی اور موجد امام خمینی ہیں۔مرگ برضد ولایت فقیہ☆ (مردہ باد مخالف ولایت فقیہ) کے نعرے میں بھی ولایت فقیہ سے مراد امام خمینی کا نظریہ ولایت فقیہ ہے۔درحقیقت یہ نعرہ ان سب مراجع و مجتہدین اور ان کے مقلدین کے خلاف لگایا جاتا ہے جو امام خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ کے حامی اور ہمنوا نہیں ہیں۔اگر آپ یہ نعرہ لگاتے ہیں تو یہ ضرور معلوم کرلیں کہ آپ کے مرجع تقلید کا نظریہ ولایت فقیہ کیا ہے۔ایسا نہ ہو آپ انجانے میں اپنے ہی مرجع تقلید کے خلاف مردہ باد کے نعرے لگا رہے ہوں۔

اب دوسرے پہلو، یعنی عملی پہلو کی طرف آتے ہیں۔ جو فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ فقیہ کو غیر فقیہ پر فتویٰ کی حد تک ولایت حاصل ہے، ان کے نظریے کہ مطابق ہر مرجع تقلید اپنے مقلد کا ولی فقیہ ہوتا ہے۔امام خمینی نے اپنے نظریہ ولایت فقیہ کی بنیاد پر ایران میں تحریک چلائی۔عوام کی حمایت سے ان کی تحریک کامیاب ہوئی۔انقلاب کے بعد امام خمینیؒ نے ایران میں ریفرنڈم کرایا اور ایرانی عوام کی بھاری اکثریت نے اس کے حق

☆ امام خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ کی علمی اور استدلالی بنیادیں بہت کمزور ہیں۔اگر ان پر تنقید کی اجازت دے دی جائے تو اس کا دفاع کرنا ناممکن ہو جائے۔لہٰذا اس پر تنقید اور اس سے اختلاف کو کچلنے کے لیے مرگ برضد ولایت فقیہ کا ظالمانہ نعرہ ایجاد کیا گیا۔اس نعرے کا مطلب یہ ہے کہ امام خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ سے اختلاف کرنے والوں کو جان کی امان نہیں ہے۔اس نعرے کے ذریعے ایک ایسی فضا ایجاد کر ڈالی گئی کہ نظریہ ولایت فقیہ کے بارے میں صرف وہی بات کر سکے جس نے اس کی حمایت کرنی ہو۔یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور حکومت میں مرگ بر ضد ولایت نبی کا نعرہ نہیں لگتا تھا، مولا علی علیہ السلام کے دور حکومت میں مرگ برضد ولایت علی کا نعرہ نہیں لگتا تھا۔کیا ولایت فقیہ ولایت نبی اور ولایت علی سے زیادہ بڑی اور اہم چیز ہے کہ اس سے اختلاف رائے رکھنے والوں کو اس نعرے کے ذریعے موت کی دھمکیاں دی جائیں اور ہر روز صبح و شام یہ نعرہ لگا لگا کر انہیں ہراساں کیا جاتا رہے۔یہ ظالمانہ نعرہ ہی اس نظریے اور اس پر مبنی نظام کے صحیح ہونے کے سامنے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔

میں ووٹ دیا۔اس طرح ایرانی عوام کے ریفرنڈم سے امام خمینیؒ کا نظریہ ولایت فقیہ ایران میں نافذ ہوگیا۔ظاہر سی بات ہے کہ اگر ایرانی عوام ریفرنڈم میں اسے مسترد کردیتے تو یہ ایران میں بھی نافذ نہ ہوسکتا۔

☆☆☆

ایک اہم اور قابل توجہ نکتہ:

بزرگ فقہاء جیسے شیخ حسن صاحب جواہرالکلام اور بعض دیگر فقہاء نے اپنی کتب میں ولایت فقیہ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس قسم کے جملے لکھے ہیں کہ: مسئلہ ولایت فقیہ ایک واضح مسئلہ ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس کے لیے کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں یہ بات ضرور یادرکھنے کے قابل ہے کہ ان کے ایسے جملات میں ولایت فقیہ کے پہلے معنی مراد ہیں جس کی رو سے فقیہ کو غیر فقیہ پر فتویٰ کی ولایت حاصل ہے۔ظاہر سی بات ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص دین کا علم نہیں رکھتا اس کا فرض ہے کہ وہ کسی فقیہ کی ولایت اور سرپرستی میں اپنے دینی احکام کے بارے میں علم وآگہی حاصل کرے تاکہ ان احکام پر عمل کرسکے۔واضح سی بات ہے کہ اس میں نہ کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے۔

لیکن جب ولایت فقیہ بمعنی سیاسی نظام کی بات کرتے ہوئے بعض لوگ فقہائے بزرگ کے ان جملوں کا حوالہ دے رہے ہوتے ہیں تو وہ شدید بددیانتی کا ارتکاب کررہے ہوتے ہیں۔اس لیے کہ ان فقہاء نے یہ بات ولایت فقیہ بمعنی ولایت فتویٰ کے بارے میں کہی ہے جو ولایت فقیہ بمعنی سیاسی نظام سے بالکل الگ چیز ہے۔

☆☆☆

پاکستان میں ولایت فقیہ

پاکستان میں ولایت فقیہ کے بارے میں بات کرنے سے پہلے ایران میں ولایت فقیہ سے آشنائی ضروری ہے۔جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ امام خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد جامع الشرائط کی حاکمیت میں ملک کا نظام فقہ جعفریہ کے مطابق چلانا، یعنی مجتہد جامع الشرائط کی حاکمیت میں ملک میں فقہ جعفریہ نافذ کرنا۔ظاہر سی بات ہے کہ شاہ کے ہوتے ہوئے تو ایسا ممکن نہیں تھا۔یہ ممکن نہیں تھا کہ ایران پر شاہ کی

حکومت ہواور ساتھ ساتھ ملک کا نظام فقیہ جامع الشرائط کی حاکمیت میں فقہ جعفریہ کے مطابق چلایا جائے۔لہٰذا سب سے پہلے شاہ کی حکومت کا خاتمہ ضروری تھا۔ساٹھ ہزار افراد کی جان کی قربانی دے کر انقلاب برپا کیا گیا اور شاہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے امام خمینی نے ایران کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ولی فقیہ کے عہدے پر فائز ہو گئے۔

ایران میں ولی فقیہ کا عہدہ سب سے زیادہ بااختیار ہے۔تمام اختیارات ولی فقیہ کی منظوری سے استعمال ہوتے ہیں۔ایران کے صدارتی انتخابات میں کامیاب ہونے والا امیدوار ولی فقیہ کے حکم سے صدر بنتا ہے۔ولی فقیہ صدر سمیت کسی بھی اعلیٰ عہدے دار کو اس کے عہدے سے برطرف کر سکتا ہے۔چیف جسٹس اور تینوں مسلح افواج کے کمانڈران چیف صاحبان کو ولی فقیہ مقرر کرتا ہے۔ملک میں سب آئمہ جمعہ ولی فقیہ کے حکم سے مقرر ہوتے ہیں اور ہر امام جمعہ اپنے علاقے میں ولی فقیہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ریڈیو ٹیلی ویژن کے محکمے کے سربراہ کا تقرر بھی ولی فقیہ کرتا ہے۔

چونکہ ولایت فقیہ کا مقصد ملک کا نظام فقہ جعفریہ کے مطابق چلانا ہے اور ملک میں فقہ جعفریہ نافذ کرنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ سب اعلیٰ عہدے فقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے پاس ہوں۔لہٰذا ایران کا صدر، کابینہ کے ارکان، چیف جسٹس اور اعلی عدالتوں کے جج صاحبان، مسلح افواج کے کمانڈر صاحبان، سب کا شیعہ ہونا لازمی ہے۔ہاں جن علاقوں میں اہل سنت کی اکثریت ہے وہاں کی مقامی آبادی کے نجی معاملات کا فیصلہ ان کی فقہ کے مطابق کرنے کا قانون ہے لیکن عمومی نوعیت کے معاملات کا فیصلہ بہرحال فقہ جعفریہ کے مطابق ہی ہونا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ پاکستان میں اس طرح کی ولایت فقیہ نافذ ہو سکتی ہے؟ پاکستان میں نادرا کے ریکارڈ کے مطابق شیعہ آبادی آٹھ سے دس فیصد ہے۔شیعہ سیاسی حلقے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان میں شیعہ آباد ملک کی کل آبادی کا پچیس فیصد ہے۔یہ بات اگرچہ خلاف حقیقت مبالغہ ہے لیکن ایک منٹ کے لیے اسے صحیح تسلیم کر لیتے ہیں۔اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کی پچیس فیصد شیعہ آبادی (جو دراصل دس فیصد ہے) پاکستان میں اس قسم کا شیعہ انقلاب برپا کر سکتی ہے کہ ملک کا سارا نظام فقہ جعفریہ کے مطابق چلایا جا سکے۔

1986 میں پاکستان میں وسیم عون جعفری کو سٹیٹ بنک کا گورنر بنایا گیا جو پاکستان کے اکثریتی

فرقے کے انتہا پسندوں کے لیے قابل ہضم نہیں تھا۔ان کی مدت کے خاتمہ پر ترازو برابر کرنے کے لیے اگلا گورنر امتیاز عالم حنفی کو مقرر کیا گیا۔ان کی مدت ختم ہونے کے بعد کچھ وقفے کے بعد انہیں دوسری بار بھی گورنر مقرر کیا گیا جس سے ترازو کا جھکاؤ پھر اکثریت کے حق میں چلا گیا۔جس ملک میں یہ صورت حال ہو وہاں اس بات کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ ملک کے سارے معاملات جامع الشرائط شیعہ مجتہد کی حاکمیت میں فقہ جعفریہ کے مطابق چلائے جائیں اوراس مقصد کے لیے سارے اعلیٰ عہدے فقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والے افراد کو دیئے جائیں۔

کیا یہ بات قابل تصور ہے کہ پاکستان کی شیعہ برادری پاکستان میں انقلاب برپا کرکے پاکستان کا موجودہ آئین ختم کرکے ایک ایسا آئین بنائے اور نافذ کرے جس کے مطابق پاکستان کا نظام فقہ جعفریہ کے مطابق چلایا جائے گا۔ بالفاظ دیگر پاکستان ایک شیعہ ریاست ہوگا،جس کا صدر، وزیر اعظم ،سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور جج صاحبان شیعہ ہوں گے،آرمی نیوی اور ائیر فورس کے چیف آف سٹاف صاحبان اور دوسرے اعلیٰ کمانڈر صاحبان شیعہ ہوں گے۔ چاروں صوبوں کے گورنر اور وزیر اعلیٰ حضرات شیعہ ہوں گے، مرکزی اور صوبائی کابینہ کے اراکین سب شیعہ ہوں گے۔بس ہر کابینہ میں ایک وزیر امور اہل سنت ہوگا جو اہل سنت عوام کی نظر میں شیعہ حکمرانوں کا چمچہ کہلائے گا۔

بالکل صاف اور سیدھی بات ہے کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے۔ کچھ باتوں کو دیوانے کا خواب کہا جاتا ہے، یہ بات دیوانے کے خواب سے بھی بڑی دیوانگی ہے۔جب جنرل ضیاء نے پاکستان کے عوام کو اسلام کے نام پر بے وقوف بنانے کے لیے نفاذ اسلام کے نام پر کچھ نمائشی اقدامات کیے تو پاکستان کی شیعہ برادری عدم تحفظ کا شکار ہوگئی۔انہوں نے اپنے تحفظ کے لیے ایک تنظیم بنائی جس کا نام تحریک نفاذ فقہ جعفریہ رکھا گیا۔کچھ سال گزرنے کے بعد انہیں احساس ہوگیا کہ پاکستان میں فقہ جعفریہ نافذ کرنے کا مطالبہ بالکل غیر معقول اور غیر منطقی ہے۔لہٰذا تنظیم کے نام میں سے نفاذ کا لفظ نکال دیا گیا اوراس کا نام تحریک جعفریہ ہوگیا۔کچھ برس گزرنے کے بعد اس غلطی کا بھی احساس ہوگیا کہ پاکستان میں جعفری مسلک کی بنیاد پر سیاست ممکن نہیں ہے۔اب تحریک جعفریہ کا نام تبدیل کرکے تحریک اسلامی رکھ دیا گیا۔اس سارے کھیل کو سامنے رکھ کر دوسری جماعت میں پڑھی جانے والی نظم یاد آجاتی ہے کہ پانچ چوہے گھر سے نکلے کرنے چلے شکار۔۔۔۔۔۔پھر ایک ایک کرکے چوہے ختم

ہو جاتے ہیں اور آخری چوہا ۔۔۔۔۔

مختصر یہ کہ پاکستان میں نہ تو انقلاب ایران جیسا انقلاب آ سکتا ہے اور نہ ہی فقیہ جامع الشرائط کی حاکمیت میں کاروبارِ مملکت فقہ جعفریہ کے مطابق چلایا جاسکتا ہے۔لہٰذا یہاں ولایت فقیہ کی بات کرنا محض جہالت اور حماقت ہے یا پھر سادہ لوح عوام اور جذباتی نوجوانوں کو بے وقوف بنا کر سیاسی دکانداری ۔۔۔

ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ پاکستان میں تو فقیہ جامع الشرائط کی حاکمیت میں ولایت فقیہ کا نظام قائم نہیں ہوسکتا لیکن ایران میں جو نظام قائم ہو چکا ہے اس کے ولی فقیہ کو پاکستان کے شیعہ عوام پر بھی ولایت حاصل ہے۔ یہ بات بھی جہالت کے سوا کچھ نہیں ہے اس لیے کہ امام خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ جامع الشرائط شیعہ فقیہ کی حاکمیت میں کاروبار مملکت فقہ جعفریہ کے مطابق چلانا۔ظاہر سی بات ہے کہ ایران کا ولی فقیہ ایران میں بیٹھ کر پاکستان کے امور مملکت کو فقہ جعفریہ کے مطابق نہیں چلا سکتا۔

ذرا سوچیں کہ اگر ایران کا ولی فقیہ یہ ہدایت جاری کرے کہ عید نوروز کے موقع پر قیدیوں کی سزا میں تین ماہ کی معافی دے دی جائی گی تو کیا پاکستان کی جیلوں میں قید شیعہ قیدیوں کو تین ماہ کی معافی ملے گی؟ اگر ایرانی ولی فقیہ ہدایات جاری کرے کہ رمضان المبارک میں سرکاری ملازموں کو سحری وافطاری کے لیے خصوصی الاؤنس دیا جائے گا تو کیا ان کے اس حکم کا اطلاق پاکستان پر ہوگا؟ اگر ایرانی ولی فقیہ یہ ہدایات جاری کریں کہ شہداء کے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے خصوصی وظائف دیئے جائیں گے تو کیا پاکستان میں دہشت گردی کی کاروائیوں میں شہید ہونے والے مومنین کے بچوں اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شہید ہونے والے پاک فوج کے افسروں اور جوانوں کے بچوں کو بھی یہ خصوصی وظائف دیئے جائیں گے؟ ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایرانی ولی فقیہ کی ولایت اور حاکمیت صرف ایران تک محدود ہے۔ ہاں اگر ایرانی ولی فقیہ کی ولایت فقیہ کا مطلب یہ ہو کہ پاکستان میں کچھ جذباتی جوان ان کی تصویریں اٹھا کر ان کے حق میں نعرے لگاتے رہیں اور ان کو رہبر معظم رہبر معظم کہتے رہیں تو اس صورت میں وہ ان جذباتی نوجوانوں کے منہ بولے ولی فقیہ اور رہبر معظم تو ہو سکتے ہیں لیکن اس کا حقیقی رہبری اور ولایت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

☆☆☆

جولوگ پاکستان میں ولایت فقیہ کے نام پر سیاسی دکانداری کر رہے ہیں انہیں یہ بات واضح کرنی چاہیے کہ وہ پاکستان میں کس طرح نظام ولایت فقیہ قائم کریں گے اوران کی قائم کردہ ولایت فقیہ کے خدوخال کیا ہوں گے۔

والسلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

ڈاکٹر سید نیاز محمد ہمدانی

24ذی الحجہ 1436ہجری

9 اکتوبر 2015۔لاہور

تمہید

ماہرین عمرانیات نے انسان کی تعریف میں کہا ہے کہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن اس کو زیادہ صحیح الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ انسان ایک ولایتی موجود ہے۔ انسان کو معاشرتی حیوان اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اکیلے نہیں گزار سکتا۔ وہ اپنی ساری ضروریات اکیلے پوری نہیں کرسکتا۔ ایک انسان کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی کپاس بھی خود اگائے، اس سے دھاگا بھی خود بنائے، اس دھاگے سے کپڑا بھی خود بنے، اس کپڑے سے لباس بھی خود بنائے۔ چمڑا بھی خود بنائے، جوتے بھی خود بنائے، گارے سے کچی اینٹیں بھی خود بنائے، ان کو آگ میں پکا کر پکی اینٹیں بھی خود بنائے، سیمنٹ بھی خود بنائے، سریا، بھی خود بنائے اور پھر گھر بھی خود بنائے۔ لہٰذا لوگوں نے کام تقسیم کر لیے۔ ہر شخص اپنے حصے کی خدمات معاشرے کو دیتا ہے اور دوسروں کی خدمات حاصل کرتا ہے اور اس طرح ہر انسان کی زندگی کا نظام چلتا ہے۔

انسان کی معاشرت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ہر انسان اپنے ہم فکر، ہم ذوق، ہم سلیقہ اور ہم عقیدہ افراد کے ساتھ تعلقات قائم کرتا ہے۔ ان کی مدد اور تعاون کرتا ہے اور ان سے مدد اور تعاون حاصل کرتا ہے۔ اسی کا نام ولایت یا تولّا ہے۔ وہ اپنے عقیدے، نظریے، ذوق اور سلیقے کے مخالف لوگوں سے تعلق قائم نہیں کرتا اور ان سے دور رہتا ہے۔ اسی کو برائت یا تبریٰ کہتے ہیں۔ اچھے اور نیک سیرت انسان اپنے جیسے اچھے اور نیک سیرت افراد کے ساتھ رشتہ ولایت قائم کرتے ہیں جبکہ بدچلن اور بدکردار لوگ اپنے ہی جیسے افراد کے ساتھ رشتہ ولایت میں منسلک ہوجاتے ہیں:

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز　　　کبوتر با کبوتر باز با باز

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ولایت کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلیٰ النُّوْرِ وَ الَّذِیْنَ

کَفَرُوْا اَوْلِیَآءُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلیٰ الظُّلُمَاتِ

ترجمہ: اللہ اہل ایمان کا ولی ہے، وہ انہیں (کفر وشرک، گمراہی و گناہ اور شکوک وشبہات کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان، ہدایت، نیکی وتقویٰ اور علم ویقین کی) روشنی میں لاتا ہے۔ جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ان کے ولی طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (بقرہ:257)

اس آیت کی روشنی میں ولایت کی دو قسمیں ہیں:

1۔ ولایت الٰہیہ 2۔ ولایت طاغوت۔

ولایت الٰہیہ انسانوں کو کفر وشرک، گناہ و گمراہی اور ظلم و بے انصافی کی تاریکی سے نکال کر ایمان و توحید، ہدایت و اطاعت اور عدل و انصاف کے نور میں لے جاتی ہے۔ جبکہ ولایت طاغوت انسانوں کو نور سے نکال کر تاریکی میں لے جاتی ہے۔

رسولوں کی ولایت بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا:

اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلیٰ النُّوْرِ

آپ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ (ابراہیم:5)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہوا:

کِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلیٰ النُّوْرِ

بِاِذْنِ رَبِّھِمْ اِلیٰ صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (ابراہیم:1)

اے رسول ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کے روشنی کی طرف لے آئیں، عزیز اور حمید اللہ کے راستے کی طرف۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کی ولایت بھی یہی ہے۔ اس لیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معصوم جانشین اور خلفاء تھے، جو ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی وہی ان کی ولایت تھی۔

مومنین کی ولایت:

اس کے بعد مومنین کی ایک دوسرے پر ولایت کا درجہ آتا ہے اور اس ولایت کی روح بھی یہی ہے جسے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے ولی ہیں،

وہ ایک دوسرے کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔(توبہ:71)

اگر نیکی کو نور اور برائی کو تاریکی کہا جائے تو مومنین کی ولایت کا نتیجہ اور اثر بھی یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جاتے ہیں۔مومنین میں سے جو علم، ایمان اور عمل صالح میں دوسروں سے برتر ہوگا اسے اپنے سے کم تر درجات والوں پر ولایت حاصل ہوگی اور جو اس سے برتر ہے اسے اس پر ولایت حاصل ہوگی۔ گویا یہ آیت مومنین سے یہ کہہ رہی ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو بھی دیکھے، اپنے سے اوپر والوں کو بھی دیکھے اور اپنے سے نیچے والوں کو بھی دیکھے۔اپنے آپ کو دیکھو کہ ایمان اور عمل صالح کے کس مقام پر کھڑے ہو اور تمہیں مزید ترقی کے لیے کیا کرنا ہے؟ جو مومن علم، ایمان اور عمل صالح میں تم سے برتر ہیں ان کی پیروی کرو، ان سے مدد اور رہنمائی حاصل کرو اور علم، ایمان اور عمل صالح میں ترقی کرو۔ جو مومن علم، ایمان اور عمل صالح میں تم سے کم تر ہیں ان کی مدد اور رہنمائی کر کے ان کو اعلیٰ درجات کی طرف بڑھنے میں مدد دو۔

ان آیات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ولایت کا اصل مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں علم، ایمان اور عمل صالح کا نور افقی اور عمودی محوروں پر مسلسل پھیلتا چلا جائے اور اس کے درجات میں شدت پیدا ہوتی جائے۔دوسرے الفاظ میں اگر آج معاشرے میں یہ نور ایک سو واٹ کے برابر ہے تو کل اس سے زیادہ اور پرسوں اور بھی زیادہ ہونا چاہیے۔

علماء وفقہاء کی ولایت:

علماء وفقہاء کی ولایت بھی درحقیقت یہی ہے۔ ہر عالم اور ہر فقیہ کی یہی اصل ذمہ داری ہے کہ اپنے اپنے معاشرے میں لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیمات سے آشنا کرے، قرآن وسنت کی روشنی میں ان کی کردار سازی کرے، انہیں جہالت اور بے عملی کی تاریکیوں سے نکال کر علم ومعرفت اور ایمان وعمل صالح کے نور میں لے آئے۔ یہی ولایت فقیہ ہے جو کسی ایک فقیہ یا عالم کی نہیں بلکہ ہر فقیہ اور ہر عالم کی ذمہ داری ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک ارشاد میں معاشرے میں فقیہ کے کردار کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

الفقیہ کل الفقیہ من لم یقنط الناس من رحمۃ اللہ و لا یو منھم

من عذابہ و لا یر خصھم فی معصیتہ ....(بحارالانوار جلد 75 صفحہ 74)

ترجمہ: ایک مکمل اور حقیقی فقیہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے، انہیں اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ کرے اور انہیں اللہ کی نافرمانی کی رخصت فراہم نہ کرے۔

اس حدیث میں فقیہ کا اصل فریضہ بہت اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اور یہی اصل اور حقیقی ولایت فقیہ ہے جو کسی ایک فقیہ کی نہیں بلکہ ہر فقیہ کی ذمہ داری ہے۔

اس ولایت کی رو سے سب علماء وفقہاء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مومنین کے کردار کی تعمیر کریں، ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ زندگی کے جس بھی شعبے میں ہوں، وہاں قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دے سکیں۔ اگر کوئی تاجر ہے تو قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اپنے کام کو انجام دے سکے، سیاست دان ہے تو میدان سیاست میں قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اپنا کردار ادا کر سکے، صدر مملکت یا وزیر اعظم ہے تو قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق حکومت کا نظام چلا سکے۔ اس ولایت کا سیاست واقتدار سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس ولایت کا اصل کام (Function) معاشرے کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کی ایمانی اور عملی تربیت کرنا ہے۔

معاشرے میں اسلام نافذ کرنے کا صحیح راستہ بھی یہی ہے کہ لوگوں کی قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح

تربیت کی جائے تاکہ ہر شخص ہر شعبہ زندگی میں اپنے فرائض قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق انجام دے سکے۔لیکن اگر معاشرے میں عوام کی اسلامی تربیت نہ ہو تو چاہے سارے شعبے مولوی صاحبان اور آیت اللہ صاحبان کو دے دیئے جائیں اس سے اسلام نافذ نہیں ہوگا۔ہاں اسلام کے نام پر منافقت، ریاکاری، ظلم وستم، شر وفساد اور آمرانہ حاکمیت کا بازار ضرور گرم ہو جائے گا۔جس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔اگر کوئی شخص آیت اللہ صادق خلخالی اور آیت اللہ منتظری کی یادداشتوں (خاطرات) کا مطالعہ کرلے تو چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے گزشتہ چند دہائیوں سے ولایت فقیہ کے نام سے ایک فتنہ برپا کر دیا گیا ہے۔ولایت فقیہ کے نام پر ایک ایسی چیز ایجاد کر ڈالی گئی ہے جس کا قرآن وسنت اور آئمہ معصومین علیہم اسلام کی تعلیمات میں میں دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔ولایت فقیہ کی یہ تعبیر کہ ایک فقیہ سیاسی حکومت قائم کرلے اور اسے سب علماء وفقہاء پر اور دنیا بھر کے شیعوں پر بے قید وشرط آمرانہ حاکمیت حاصل ہو جائے، شیعہ اجتہاد کی تاریخ کی سب سے بڑی اجتہادی غلطی ہے۔

فقیہ کے معنی:

ولایت فقیہ کی بات کے ضمن میں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ احادیث نبوی اور احادیث آئمہ معصومین علیہم السلام میں فقیہ کے معنی کیا ہیں اور ہمارے مولوی صاحبان اور مجتہدین حضرات نے اس کے کیا معنی بنا دیئے ہیں۔شیعہ سنی دونوں کی کتب حدیث میں الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا گیا ہے۔

من حفظ عنا اربعین حدیثا من احادیثنا فی الحلال

و الحرام بعثه اللہ یوم القیامة عالما فقیها و لم یعذبه

ترجمہ: جس شخص نے ہماری احادیث میں سے حلال وحرام کے بارے میں چالیس احادیث کی حفاظت کی قیامت کے دن اللہ اسے ایک فقیہ عالم کے طور پر اٹھائے گا اور اسے عذاب نہیں کرے گا۔(خصال 542:2)

یہاں یہ بات ضرور پیش نظر رہے کہ احادیث کو حفظ کرنے کا مطلب رٹا لگا کر انہیں زبانی یاد کر لینا نہیں بلکہ ان پر پوری طرح سے عمل کرنا ہے، اس لیے ہم نے ترجمہ میں حفظ کرنے کی بجائے حفاظت کرنے کا لفظ

استعمال کیا ہے۔ ہماری زبان میں پولیس کے لیے قانون کے محافظ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر پولیس والا، حافظ قرآن کی طرح قانون کی کتاب کا حافظ ہوتا ہے۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود قانون کا پابند ہوتا ہے اور دوسروں سے بھی قانون کی پابندی کرواتا ہے۔(کاش عملی طور پر بھی پولیس والے اسی طرح ہوتے)۔ بالکل اسی طرح چالیس احادیث کی حفاظت کرنے کا مطلب بھی یہ ہوگا کہ وہ شخص خود بھی چالیس احادیث پر عمل کرے اور دوسروں کو ان پر عمل کی ترغیب دے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص چالیس احادیث کو یاد کرلے اور زندگی میں ان پر پوری طرح کاربندرہے،تو وہ دین کی روح سے آشنا بھی ہوجائے گا اور اس سے وابستہ بھی ہوجائے گا۔اس کا علمی وعملی کردار اتنا اعلیٰ وارفع ہوجائے گا جس کے سامنے بہت سے اصطلاحی فقہاء بونے نظر آئیں گے۔

اس حدیث کی روشنی میں فقیہ ہونے کا علمی راستہ کتنا آسان ہے،اگرچہ عملی راستہ ،یعنی چالیس احادیث پر مکمل طور پر کاربندرہنا، بہت مشکل ہے۔لیکن ملاازم نے فقیہ کے معنی ہی بدل دیئے ہیں۔ملائیت نے اسے راکٹ سائنس بلکہ اس سے بھی مشکل بنا کر رکھ دیا ہے کہ بڑے بڑے سائنس دان بھی، راکٹ سائنس اور نیوکلیر سائنس کے ماہرین بھی اس خیال باطل کے فسوں میں گرفتار ہیں کہ فقیہ ہونا بہت مشکل کام ہے۔اب فقیہ صرف وہ ہے جس نے سالہا سال صرف کرکے کچھ علوم پڑھے ہوں اور اجتہاد کا فن سیکھا ہو اور کسی استاد سے اجازہ اجتہاد لیا ہو۔اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ فقیہ کے معنی احادیث معصومین (علیہم السلام) میں کیا ہیں اور علماء نے اس کے معنی کیا سے کیا کردیئے ہیں۔

برادران اہل سنت کے استدلالات:

اس سے پہلے کہ ولایت فقیہ کے دلائل کا جائزہ لیا جائے ایک نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان میں ہم اہل سنت بھائیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ان کے ساتھ عقائد اور فقہی اختلافات پر بحث و گفتگو اور تحریر وتقریر کے ذریعے مناظرے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ وہ بھی اپنے عقائد اور نظریات پر قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ اور بات کہ ان کے دلائل سے ہم اتفاق نہیں کرتے۔مثلاً وہ آیت استخلاف (سورہ نور آیت 55) سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر استدلال کرتے ہیں۔آیت وضو سے وضو میں پاؤں کے

دھونے پر استدلال کرتے ہیں۔لیکن ہمارے نزدیک ان کا استدلال کمزور اور نا قابل قبول ہے۔لیکن یقین کیجیے کہ ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ کے قائلین جن دلائل سے ولایت فقیہ پر استدلال کرتے ہیں وہ برادران اہل سنت کے ان دلائل سے بھی زیادہ کمزور ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔قائلین ولایت فقیہ کے پاس جو دلائل ہیں ان کا ایک ایک کر کے جائزہ لیتے ہیں۔ان روایات کی سند میں اختلاف اور بحث کی بہت گنجائش ہے لیکن ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ان کی سند بہت قوی اور معتبر ہے۔آیئے ان کے مضمون پر غور کریں اور دیکھیں کہ ان روایات سے کس قسم کی ولایت فقیہ ثابت ہوتی ہے۔

پہلی دلیل: مقبولہ عمر ابن حنظلہ

قائلین ولایت فقیہ کے پاس اپنے نظریے کی تائید میں سب سے بڑی اور سب سے مضبوط دلیل ایک حدیث ہے جو علماء میں مقبولہ عمر ابن حنظلہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

اس سے پہلے کہ مقبولہ عمر ابن حنظلہ کو نقل کر کے اس کا ترجمہ و تجزیہ پیش کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت (Status) کو واضح کر دیا جائے۔اس روایت کو محدثین اور فقہاء مقبولہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔مقبولہ کے معنی ہیں قبول کی گئی روایت۔ولایت فقیہ کے بعض عوام فریب طرفدار مقبولہ عمر ابن حنظلہ کو بیان کرتے وقت عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ چونکہ یہ روایت مقبولہ اس لیے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا، جس حدیث کو علما نے قبول کیا ہو اس کے صحیح ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔خبر واحد کی کئی اقسام ہیں: صحیحہ، حسنہ، موثقہ اور ضعیف۔علم حدیث اور علم فقہ کے مطابق صحیحہ، حسنہ اور موثقہ بذات خود قابل قبول ہوتی ہیں۔یعنی قبولیت کے معیار پر پورا اترتی ہیں۔انہیں لامحالہ قبول کرنا ہوتا ہے۔لیکن جو خبر صحیحہ، حسنہ اور موثقہ کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو اسے خبر ضعیف کہا جاتا ہے جو بنیادی طور پر قبولیت کے معیار پر پوری نہیں اترتی لہٰذا اسے رد کرنا ضروری ہوتا ہے۔لیکن بعض اوقات کوئی ایسی ضعیف حدیث ہوتی ہے جس کی سند کے ضعف کو نظر انداز کر کے فقہاء اس کے مضمون کو قبول کر لیتے ہیں۔ایسی ضعیف حدیث جو بذات خود رد کر دیئے جانے کے قابل ہوتی ہے اور قبولیت کے معیار پر پوری نہیں اترتی لیکن اس کے باوجود فقہاء اسے قبول کر لیں تو اسے مقبولہ کہا جاتا ہے۔بالفاظ دیگر مقبولہ وہ حدیث ہوتی ہے جسے رعایتی

نمبر دے کر پاس کیا گیا ہو۔اس وضاحت سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ مقبولہ عمر ابن حنظلہ بنیادی طور پر ضعیف حدیث ہے اور اس قابل ہے کہ اسے رد کر دیا جائے لیکن فقہاء نے اسے رد کرنے کی بجائے اسے قبول کر لیا۔

آیت اللہ جعفر سبحانی اپنی کتاب اصول الحدیث واحکامہ کے صفحہ 89 پر حدیث مقبول کی بحث میں اس حدیث یعنی مقبولہ عمر ابن حنظلہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "شیعہ فقہاء نے اس حدیث کو باب القضاء میں قبول کیا ہے اور باب القضاء کا سارا دارومدار اسی حدیث پر ہے"۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ قضاوت کا معاملہ جس کا تعلق لوگوں کی جان مال عزت وآبرو کی حفاظت سے ہے، اس کا دارومدار ایک ایسی حدیث پر ہے جو صحیحہ اور حسنہ تو کجا موثقہ بھی نہیں ہے۔ ولایت فقیہ کے نام سے جو سیاسی نظام امام خمینیؒ نے بنایا ہے اس کی سب سے بڑی اور بنیادی دلیل بھی یہی حدیث ہے۔ لیکن ہم اس کی سند کے ضعف کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں اور اسے صحیحہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اب اس حدیث کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس سے کس قسم کی ولایت فقیہ ثابت ہوتی ہے:

محمد ابن یحیٰ عن محمد ابن حسین عن محمد ابن عیسی عن صفوان بن یحیٰ عن داؤد ابن الحصین عن عمر ابن حنظله قال: سالت عن ابی عبد اللہ علیه السلام عن رجلین من اصحابنا بینهما منازعة فی دین او میراث، فتحاکما الی سلطان بالقضاة۔ ایحل ذالک۔ قال: ,من تحاکم الیهم فی حق او باطل فانما تحاکم الی الطاغوت، فما یحکم له فانما یاخذ سحتا، و ان کان حقا ثابتا۔ لانه اخذه بحکم الطاغوت و قد امر اللہ بان یکفروا به قال اللہ تعالیٰ: یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَتَحَاکَمُوْا اِلیٰ الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَکْفُرُوْا بِهٖ۔ (نساء:60)

قلت کیف یصنعان؟ قال ینظران الی من کان منکم ممن قد روی حدیثنا، و نظر فی حلالنا و حرامنا و عرف احکامنا، فلیرضوا به حکما فانی قد جعلته علیکم حاکما، فاذا حکم بحکمنا فلم یقبله منه فانما استخف بحکم اللہ، و علینا رد، و الراد علینا الراد علی اللہ و هو علی حد الشرک باللہ۔ قلت ان کان کل رجل اختار رجلا من اصحابنا فرضیا ان یکونا الناظرین فی حقهما و اختلفا فیما حکما و کلاهما اختلفا فی حدیثکم؟

قال:الحکم ما حکم به اعدلهماو افقههماو اصدقهما فی الحدیث و اورعهما ولا یلتفت الی مایحکم به الآخر۔قال قلت:انهما عدلان مرضیان عند اصحابنا لا یفضل واحد منهما علی الآخر؟ قال فقال ینظر الیٰ ما کان من روایتهم عنا فی ذالک الذی حکما به المجمع علیه من اصحابک فیوخذ به من حکمنا ویترک الشاذ الذی لیس بمشهور عند اصحابک۔فان المجمع علیه لا ریب فیه۔وانما الامور ثلاثة:امر بین رشده فیتبع ,و امر بین غیه فیجتنب و امر مشکل یرد علمه الی اللہ والی رسوله۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم : حلال بین و حرام بین وشبهات بین ذالک۔فمن ترک الشبهات نجا من المحرمات ومن اخذ بالشبهات ارتکب المحرما ت و هلک من حیث لا یعلم۔

قلت فان کان الخبران عنکما مشهورین قد رواهما الثقات عنکم ؟قال ینظر فما وافق حکمه حکم الکتاب والسنه وخالف العامه فیوخذ به و یترک ما خالف حکمه حکم الکتاب والسنه و وافق العامه ۔قلت جعلت فداک ارایت ان کان الفقیهان عرفا حکمه من الکتاب والسنة و وجدنا احد الخبرین موافقا للعامه والآخر مخالفا لهم بای الخبرین یوخذ ؟قال فما خالف العامه ففیه الرشاد۔ فقلت جعلت فداک فان وافقهما الخبران جمیعا ؟قال ینظر الی ما هم الیه امیل حکامهم و قضاتهم فیترک ویوخذ بالآخر ۔قلت فان وافق حکامهم الخبرین جمیعا؟قال اذا کان ذالک فارجه حتی تلقی امامک فان الوقوف عندالشبهات خیر من الاقتحام فی الهلکات۔ (کافی جلد 1، باب اختلاف الحدیث، حدیث 10)

ترجمہ:محمد بن یحیٰ محمد بن حسین سے، وہ محمد بن عیسٰی سے، وہ صفوان بن یحیٰ سے، وہ داؤد بن حصین سے، وہ عمر بن حنظلہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابی عبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام سے اپنے دو اصحاب کے بارے میں پوچھا، جن کا قرض یا میراث کے معاملے میں آپس میں جھگڑا تھا اور وہ اپنے فیصلے کے لیے سلطان اور قاضیوں کے پاس چلے گئے۔کیا یہ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: جو کسی حق یا باطل (یعنی جائز یا ناجائز) معاملہ میں فیصلے کے لیے ان کے پاس جاتا ہے تو وہ طاغوت (یعنی اللہ کے خلاف سرکشی کرنے والے)

سے فیصلہ کرواتا ہے، اور وہ جس کے حق میں فیصلہ کر دے تو وہ جو کچھ لیتا ہے وہ حرام ہوتا ہے چاہے اس کا ثابت شدہ حق ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ اس نے طاغوت کے حکم اور فیصلے سے لیا ہے جبکہ اللہ کا حکم ہے کہ طاغوت کا انکار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''یہ چاہتے ہیں کہ فیصلے کے لیے طاغوت کے پاس جائیں حالانکہ انہیں اس کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔ (نساء60)

عمر ابن حنظلہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا کہ پھر وہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: وہ دونوں تم میں سے کسی ایسے شخص کو دیکھیں جس نے ہماری احادیث روایت کی ہوں، ہمارے حلال وحرام میں نظر رکھتا ہو، ہمارے احکام کی معرفت رکھتا ہو تو دونوں اسے ثالث بنانے پر راضی ہو جائیں، بے شک میں نے اسے تم پر حاکم بنایا ہے۔ پھر جب وہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کر دے اور وہ اس کے فیصلے کو قبول نہ کرے تو اس نے اللہ کے حکم کو خفیف جانا اور ہمارے حکم کو رد کیا، اور ہمارے حکم کو رد کرنے والا اللہ کے حکم کو رد کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ شرک کی حد تک جا پہنچتا ہے۔

میں نے کہا: اگر وہ دونوں الگ الگ شخص کو چن لیں کہ وہ ان کے حق میں نظر کریں پھر وہ دونوں اپنے فیصلے اور آپ کی حدیث میں اختلاف کریں تو؟ آپ نے فرمایا فیصلہ اس کا فیصلہ ہوگا جو ان دونوں میں سے زیادہ عادل، زیادہ فقیہ، زیادہ سچا اور زیادہ پرہیزگار ہوگا۔ اور دوسرے کے فیصلے کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی۔ میں نے کہا کہ وہ دونوں عادل ہیں اور ہمارے اصحاب میں پسندیدہ ہیں، ان دونوں میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر یہ دیکھو کہ جن روایات کی بنیاد پر انہوں نے فیصلہ کیا ہے ان میں سے کس کی روایت پر تمہارے اصحاب کا اجماع ہے۔ اسے لے لو اور جو شاذ ہے اور تمہارے اصحاب میں مشہور نہیں ہے اسے چھوڑ دو۔ جس پر اجماع ہے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور معاملات کی تین ہی قسمیں ہوا کرتی ہیں: ایک وہ جس کا ہدایت ہونا واضح ہو، تو اس کی اتباع کرنا ضروری ہے۔ ایک وہ جس کا گمراہی ہونا واضح ہے، تو اس سے اجتناب ضروری ہے اور ایک وہ جس کا ہدایت یا گمراہی ہونا واضح نہ ہو، تو اس کا علم اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک حلال ہوتا ہے جو بالکل واضح ہوتا

ہے، ایک حرام ہوتا ہے جو بالکل واضح ہوتا ہے اوران دونوں کے درمیان مشتبہ معاملات ہوتے ہیں۔ پس جو شخص شبہات کوترک کردے وہ حرام سے بچ جاتا ہے اور جوشبہات کو پکڑ لیتا ہے وہ حرام کا مرتکب ہوکر رہتا ہے اوراس طرح ہلاک ہوجاتا ہے کہ اسے علم بھی نہیں ہوتا۔

میں نے عرض کیا کہ دونوں روایتیں جو آپ کی طرف سے روایت ہوئی ہیں وہ مشہور ہیں جنہیں ثقہ (یعنی قابل اعتماد) راویوں نے آپ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ جس کی روایت کتاب وسنت کے مطابق اور عامہ (یعنی عام مسلمانوں) کے خلاف ہواس کے فیصلے کو لے لیا جائے گا اور جس کی روایت کتاب وسنت کے خلاف اور عامہ کے مطابق ہوا سے ترک کردیا جائے گا۔ میں نے کہا: میں آپ پر فدا ہوجاؤں: اگر ان دونوں فقہاء نے اس مسئلہ کا حکم کتاب وسنت سے معلوم کیا ہو اور ہم ان دونوں احادیث میں سے ایک کو عامہ کے موافق اور ایک کو ان کے مخالف پائیں تو ان دونوں میں سے کس کو لیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا : جو عامہ کے خلاف ہے اس میں ہدایت ہے۔ میں نے نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہوجاؤں اگر دونوں احادیث ان کے موافق ہوں تو؟ آپ نے فرمایا: پھر یہ دیکھو کہ ان کے حکام اور قاضی ان دونوں میں سے کس کی طرف زیادہ مائل ہیں، اسے چھوڑ دیا جائے اور دوسری کو لے لیا جائے۔ میں نے کہا: اگر ان کے حکام اور قاضی صاحبان کا جھکاؤ دونوں کی طرف یکساں ہوتو؟ آپ نے فرمایا جب ایسا ہوتو پھر انتظار کرو، یہاں تک کہ تم اپنے امام سے ملاقات کرو۔ اس لیے کہ شبہات میں توقف کرنا ہلاکت میں کود جانے سے بہتر ہے۔

قارئین محترم! یہ ہے مقبولہ عمر ابن حنظلہ، جسے ولایت فقیہ کی سب سے مضبوط دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں اس سے کونسی اور کتنی سی ولایت فقیہ ثابت ہوتی ہے۔

☆ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ حدیث یہ بتاتی ہے کہ اس کا تعلق ایسے مسئلہ سے ہے جس میں دوافراد کا قرض یا میراث کے معاملے میں کوئی باہمی جھگڑا ہے۔ وہ خود کسی سمجھوتے اور موافقت پر نہیں پہنچ سکتے تو حکومت کے قاضی کے پاس چلے جاتے ہیں۔ ظاہری بات ہے لوگ اپنے جھگڑوں اور اختلافات کے حل کے لیے، حکمران کے پاس نہیں بلکہ قاضی کے پاس جاتے ہیں۔ آج کل کی اصطلاح میں بات کریں تو لوگ اختلافات اور جھگڑے نمٹانے کے لیے جج کی عدالت میں جاتے ہیں، صدر یا وزیراعظم کے پاس نہیں جاتے کہ جناب میرا فلاں سے

قرض یا میراث کے معاملے میں اختلاف اور جھگڑا ہے، آپ ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء نے فقہی کتابوں میں اس حدیث کو ابواب قضا میں جگہ دی ہے اور اسی وجہ سے فقہاء کی ایک تعداد اس بات کی قائل ہے کہ فقیہ کو اختلافات کا فیصلہ کرنے کی ولایت (یعنی ولایت قضاء) بھی حاصل ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام عمر ابن حنظلہ سے فرماتے ہیں کہ حکومت کے مقرر کردہ قاضی سے فیصلہ کرانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہ طاغوت ہیں اور طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ان کی عدالتوں میں جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کا انکار کرنے کی بجائے انہیں تسلیم کر رہا ہے۔

جواز حاکمیت کا مسئلہ:

بات آگے بڑھانے سے پہلے جواز حاکمیت یعنی (Legitimacy) کے مسئلہ پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ حکومت انسانی معاشرے کے لیے بہت اہم ہے۔ حکومت کے بغیر کوئی معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حاکم کون ہو؟ ایک سادہ اور معصومانہ سا جواب یہ ہے کہ ظاہر سی بات ہے کہ انسانی معاشرے کا حاکم کوئی انسان ہی ہوگا۔ کوئی جن یا فرشتہ تو آ کر حکومت کرنے سے رہا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کون سا انسان ہے جسے معاشرے پر حکومت کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہے۔ اس بارے میں واضح طور پر ایک بات تو یہ کہی جا سکتی ہے کہ معاشرے کا حکمران وہ ہوگا جسے اللہ حکمران مقرر کرے۔ اگر معاشرے میں کوئی ایسا انسان موجود ہو جسے اللہ نے انسانوں کا حکمران مقرر کیا ہو تو اس کی موجودگی میں کسی اور کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے مقرر کردہ حاکم کی موجودگی میں جو حاکم بن بیٹھے گا وہ طاغوت ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد آئمہ معصومین علیہم السلام ایسی ہی شخصیات تھیں جنہیں اللہ نے امام اور حاکم مقرر کیا تھا۔ اگر امام معصوم علیہ السلام معاشرے میں ظاہری طور پر موجود ہوں، اور کوئی ان کی مرضی اور منظوری کے بغیر حاکم بن بیٹھے تو یقیناً وہ غاصب اور طاغوت ہوگا۔ ان کی بنائی ہوئی عدالتیں بھی طاغوت کی عدالتیں ہوں گی اور ان کی طرف رجوع کرنا حرام ہوگا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جب امام معصوم معاشرے میں موجود نہ ہوں تو اس صورت میں معاشرے میں حکومت کا حق کس کو حاصل ہوگا۔ ظاہر سی بات ہے ایسی صورت میں حق حاکمیت اسے حاصل ہوگا جسے عوام اپنے

اوپر حکومت کرنے کا حق دیں۔ ایران میں آیت اللہ خمینی اور ان کے ہم فکر افراد صرف اسی وجہ سے حکومت بنا سکے کہ ایرانی عوام نے انہیں حکومت کرنے کا حق دیا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں پر حکومت کرنے کا اختیار اللہ کے مقرر کردہ حاکم کو ہے۔ اگر اللہ کا مقرر کردہ حاکم پردہ غیبت میں ہو تو پھر لوگوں پر حکومت کرنے کا حق اسے حاصل ہوگا جسے وہ خود یہ حق دیں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں کی مرضی کے بغیر ان پر حکومت کرے۔

ہمارے زمانے میں امام معصوم پردہ غیبت میں ہیں۔ ان کی طرف سے مقرر کردہ کوئی حاکم بھی موجود نہیں ہے۔ امام زمانہ علیہ السلام نے غیبت صغریٰ کے دور میں ایک دوسرے کے بعد چار نائب مقرر فرمائے تھے۔ ان کی نیابت بھی یہ تھی کہ کہ لوگوں اور امام کے درمیان واسطے کا کام کرتے تھے۔ چوتھے نائب علی بن محمد سمری کی وفات سے چھ دن پہلے امام علیہ السلام نے انہیں بتا دیا تھا کہ چھ دن بعد تمہاری وفات ہو جائے گی اور تم کسی کو نائب مقرر نہ کرنا کیوں کہ میری غیبت کبریٰ شروع ہو جائے گی۔ چوتھے نائب کی وفات 15 شعبان 329 ہجری میں ہوئی۔ اس تاریخ سے اب تک کوئی نائب امام یا نمائندہ امام نہیں ہے۔ اگر کوئی اس بات کا مدعی ہو کہ وہ امام زمانہ علیہ السلام کا نائب یا نمائندہ ہے تو بلا شک وشبہ وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ اگر کوئی شخص خود تو ایسا دعویٰ نہ کرے لیکن اس کے عقیدتمند اور ارادتمند ایسی باتیں کریں اور وہ باتیں اس کے علم میں بھی آجائیں اور وہ ان کی تردید کر سکنے کے باوجود ان کی تردید نہ کرے تو بھی وہ جھوٹا اور کذاب ہوگا۔

لہٰذا امام علیہ السلام کے زمانہ حیات میں ان کی موجودگی میں، ان کی اجازت اور منظوری کے بغیر جو بھی حاکم تھے وہ طاغوت تھے۔ ان کی حکومت کو تسلیم کرنا اور ان کی قائم کردہ عدالتوں کی طرف رجوع کرنا حرام تھا۔

لیکن زمانہ غیبت میں مختلف معاشروں میں قائم حکومتوں کو حضور امام کی غاصب اور طاغوتی حکومتوں پر قیاس کرنا غلط ہوگا۔ ہر معاشرے کا ایک عمرانی معاہدہ (Social Contract) ہوتا ہے۔ اس معاہدے کے مطابق عوام جسے حق حاکمیت دیں وہ جائز حکمران ہوگا۔ ایران میں بھی ایرانی عوام نے ریفرنڈم میں ولایت فقیہ کو ووٹ دیا تو وہاں یہ نظام نافذ ہوا۔ لہٰذا مومنین کرام اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ مقبولہ عمر ابن حنظلہ میں امام علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ: ''حکومت کے مقرر کردہ قاضی کے پاس فیصلے کے لیے جانا حرام ہے''، آج کے حالات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا تعلق صرف ان حالات سے ہے جب امام معصوم معاشرے میں موجود ہوں

اوران کی موجودگی میں ان کی مرضی اوراجازت کے بغیر کوئی حکمران بن بیٹھے۔اس لحاظ سے مقبولہ عمر ابن حنظلہ آج کے حالات کے لحاظ سے بالکل غیر متعلق ہوجاتا ہے۔

عمر ابن حنظلہ اب اس مشکل کا حل دریافت کرتے ہیں کہ باہمی اختلافات اور جھگڑوں میں اگر لوگ حکومت کی قائم کردہ عدالتوں کی طرف رجوع نہ کریں تو کیا کریں؟

امام علیہ السلام اس مشکل کا حل اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ اپنے میں سے کسی ایسی شخص کو دیکھو جو ہماری احادیث بیان کرتا ہو، ہمارے حلال وحرام پر نظر رکھتا ہواور ہمارے احکام کی معرفت رکھتا ہو۔ایسے شخص کو تلاش کریں اوراسے حَکَم (یعنی ثالث) بنالیں۔میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کیا ہے۔

حَکَم کے اختیارات:

اس جملے کے یہ الفاظ بہت قابل غور ہیں کہ **فلیرضوا به حَکَماً فانی قد جعلته علیکم حاکما** یعنی اسے **حَکَم** بنانے پر راضی ہوجائیں۔**حَکَم** ثالث کو کہا جاتا ہے جس کے پاس کوئی حکومتی اختیار نہیں ہوتا۔اس کے اختیارات مصالحت کے لیے تجاویز دینے سے زیادہ نہیں ہوتے۔اس موقف پر دو شواہد ملاحظہ فرمائیں:

1۔ حضرت علی علیہ السلام کے دور حکومت میں جنگ صفین کے دوران حَکَمِیَّت کا واقعہ پیش آیا جو تاریخ اسلام کے اہم واقعات میں سے ایک ہے۔اس میں حضرت علی علیہ السلام اور امیر شام کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے دو **حَکَم** مقرر کیئے گئے۔ایک حکم حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے اور دوسرا حکم امیر شام کی طرف سے۔ظاہر سی بات ہے کہ ان دونوں کے پاس کوئی حکومتی اختیار نہیں تھا۔ان کا دائرہ کار صرف بحران اور مسئلہ کے حل کے لیے تجویز دینا تھا۔

2۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں میاں بیوی کے درمیان طلاق روکنے اوران کے اختلافات کے حل کے لیے جو احکام دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِہِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَماً مِنۡ اَھۡلِہٖ وَ

حَکَماً مِنۡ اَھۡلِھَا اِنۡ یُرِیۡدَا اِصۡلاحاً یُوَفِّقِ اللّٰہ بَیۡنَہُمَا

ترجمہ:اگر تمہیں ان کے درمیان جدائی کا خوف ہو تو ایک **حَکَم** مرد کے خاندان والوں میں سے اور ایک **حَکَم**

عورت کے خاندان والوں کی طرف سے مقرر کر دو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کے خواہش مند ہوئے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت پیدا کر دے گا۔ (نساء:35)

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کر چکے تھے اور آپ خود اس کے سربراہ تھے۔ کیا اس دور میں اگر کسی میاں بیوی کے درمیان اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو جاتا اور اس آیت کے مطابق دونوں ایک ایک حکم اپنے خاندان سے مقرر کر دیتے تو کیا ان میں سے ہر حکم کے پاس ولایت مطلقہ والے لامحدود اختیارات ہوتے؟

اس آیت سے بھی حکم کا کردار واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا کام صرف راہ حل کی نشاندہی کرنا ہوتا ہے۔ اس کے پاس کوئی حکومتی اختیار نہیں ہوتا۔ حکم یعنی ثالث کو لامحدود اختیارات کا مالک حکمران سمجھنا بہت ہی عجیب اور نرالی منطق اور بڑی عجیب قسم کی فقاہت ہے۔

لیکن ولایت فقیہ والے فقیہ کی ولایت مطلقہ یعنی بے قید و شرط حاکمیت کو ثابت کرنے کے لیے اسی جملے سے استدلال کرتے ہیں کہ: ''اسے حکم بنانے پر راضی ہو جائیں، میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کیا ہے''۔ یعنی یہ شخص تمہارا ولی فقیہ ہے، جب یہ ولی فقیہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کر دے تو جو اس کے فیصلے کو نہ مانے وہ اللہ کے فیصلے کو خفیف قرار دیتا ہے، جو ان کے فیصلے کو رد کرے وہ ہمارے فیصلے کو رد کرتا ہے، جو ہمارے فیصلے کو رد کرے وہ اللہ کے حکم کو رد کرتا ہے اور وہ شرک کی سرحد پر ہے۔

یہ جملہ خود اس بات کو واضح طور پر بیان کر رہا ہے کہ اس ولی فقیہ کے پاس اقتدار کی طاقت نہیں ہے اور جن لوگوں نے رضا کارانہ طور پر اس سے فیصلہ کروایا ہے ان پر واجب ہے کہ وہ اس کے فیصلے کو قبول کریں اور اس پر عمل کریں۔ اگر اس کے پاس اپنا فیصلہ نافذ کرنے کا حکومتی اختیار ہوتا تو یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی کہ جو ان کے فیصلے کو رد کرتا ہے وہ اللہ کے فیصلے کو خفیف جانتا ہے اور ہمارے حکم کو رد کرتا ہے۔ اس لیے کہ اگر ان کے پاس اقتدار کی طاقت ہو تو پھر کون ان کے حکم کو رد کر سکتا ہے۔ کیا انقلاب ایران کے بعد ایران میں کسی شخص کے لیے ممکن ہے کہ ولی فقیہ کے فیصلے کو یا ایران کی سرکاری عدالتوں کے فیصلے کو رد کر سکے؟

اس جملے سے ایک اور بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر فقیہ یا ولی فقیہ اللہ تعالیٰ اور آئمہ معصومین علیہم

السلام کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے تو اسے رد کرنے والا اللہ کے حکم کو رد کرنے والا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہوگا جب فقیہ یا ولی فقیہ کا فیصلہ، حکم یا فتویٰ معصومین کے حکم کے مطابق ہو۔ لیکن اگر ثابت ہو جائے کہ فقیہ یا ولی فقیہ کا حکم، فیصلہ یا فتویٰ معصومین کے حکم کے مطابق نہیں بلکہ ان کی ذاتی رائے اور اجتہاد ہے، یا ان کی سیاسی مصلحتوں اور سیاسی مفادات کی بنیاد پر ہے تو پھر اسے رد کرنے والا معصومین کے حکم کو رد کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔ لہٰذا جو لوگ اس جملے سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مجتہدین کی اور ولی فقیہ کی ہر بات معصومین کے حکم کا درجہ رکھتی ہے اور ان کی بات کو رد کرنا معصومین کے حکم کو رد کرنے کے برابر ہے، وہ سنگین غلطی پر ہیں۔

عمر ابن حنظلہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک، اپنی اپنی پسند کے ایک شخص کو ثالث بنا لیتا ہے، یعنی ان دونوں میں سے ہر شخص اپنی پسند کے کسی ایسے شخص کو ولی فقیہ بنا لیتا ہے جو احادیث معصومین کو بیان کرتا ہو، ان کے حلال وحرام کو جانتا ہو اور ان کے احکام کی معرفت رکھتا ہو۔ یعنی اب ایک ہی شہر میں یا ایک ہی گاؤں میں ایک ہی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے دو ولی فقیہ ہو گئے۔ لہٰذا یہ تصور ایک لغو اور بیہودہ تصور ہوگا کہ پورے ملک میں بلکہ پوری دنیا میں ایک ولی فقیہ ہو جو دنیا بھر کے شیعہ عوام کا امام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کا ولی امر ہو۔

اب یہ بھی ممکن ہے کہ ان دو ولی فقیہ حضرات نے، جو درحقیقت ایک ثالث کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک ساتھ بیٹھ کر اس مسئلے پر غور و فکر کیا ہو، جیسے عدالت میں دو ججوں پر مشتمل ایک بنچ ہوتا ہے اور پھر ان دونوں کے فیصلے میں اختلاف ہو گیا ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص نے اپنی دسترس میں موجود ایک ولی فقیہ کے سامنے مسئلہ رکھا اور اس نے اس کا حل بتا دیا۔ دوسرے نے اپنی دسترس میں موجود ایک اور ولی فقیہ کے سامنے مسئلہ پیش کر دیا اور اس نے کچھ اور حل بتا دیا۔ اس طرح ان دونوں کے فیصلوں میں اختلاف ہو گیا ہو۔ دونوں ولی فقیہ ہیں، دونوں کو امام نے حاکم بنایا ہے، دونوں اپنی اپنی جگہ امام معصوم کی حدیث کی روشنی میں فیصلہ کر رہے ہیں لیکن دونوں کے فیصلے آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔ اب یہاں کیا کیا جائے؟ کس ولی فقیہ کا حکم مانا جائے؟

یہاں امام علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ جس کے ہاتھ میں حکومت ہو اس کا فیصلہ مان لو اور دوسرا فقیہ بھی اس کے فیصلے کے سامنے ضرور سر تسلیم خم کرے۔ آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ ووٹنگ کروا لو اور جس فقیہ کو زیادہ ووٹ مل جائیں اس کا فیصلہ مان لو۔

اس صورت حال میں امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان دو ولی فقیہ حضرات میں سے جو زیادہ عادل (اعدل)، زیادہ فقیہ (افقه)، زیادہ سچا (اصدق) اور زیادہ متقی و پرہیزگار (اورع) ہو اس کا فیصلہ مانا جائے گا۔ یعنی دو ولی فقیہ ہیں، دونوں احادیث معصومین کو بیان کرنے والے ہیں، دونوں معصومین کے حلال وحرام پر نظر رکھتے ہیں، دونوں احکام معصومین کی معرفت رکھتے ہیں، دونوں ہی عادل اور متقی ہیں، دونوں کو امام علیہ السلام نے یہ کہہ کر حاکم بنایا ہے کہ: **فانی قد جعلته علیکم حاکما** (میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کیا ہے)۔ اب ان دونوں کے فیصلے میں اختلاف کی صورت میں عوام سے کہا جا رہا ہے کہ ان دونوں عادل، باتقویٰ فقہاء میں سے، جو کہ دونوں ولی فقیہ ہیں، اس ولی فقیہ کا فیصلہ مانا جائے جو زیادہ عادل، زیادہ فقیہ، زیادہ سچا اور زیادہ متقی و پرہیزگار ہو۔ معلوم ہوا کہ ان دو ولی فیقہ صاحبان کے پاس اپنا حکم اور فیصلہ نافذ کرنے کی کوئی حکومتی طاقت نہیں ہے، وہ صرف اپنی رائے اور اپنا فیصلہ دے رہے ہیں۔ اب ان میں سے کس کی بات ماننی ہے اور کس کی نہیں ماننی اس کا فیصلہ بھی ان افراد نے ہی کرنا ہے جن کا آپس میں جھگڑا ہے۔

جیسے تیسے کر کے بیچاروں نے تحقیق کی تو معلوم ہو کہ دونوں علم وفقاہت میں، عدالت میں، سچائی میں اور تقویٰ و پرہیزگاری میں برابر ہیں، کسی کو دوسرے پر ذرا بھی برتری حاصل نہیں ہے۔ اب کیا کریں؟ جواب دیا جا رہا ہے کہ فی الحال اپنے مسئلے کو رکھیں ایک طرف اور اب اس بات پر تحقیق شروع کر دیں کہ ان دونوں میں سے کس کی حدیث پر ہمارے فرقے کے علماء کا اجماع ہے۔ جس کی حدیث پر ہمارے فرقے کے علماء کا اجماع ہے اس کا فیصلہ مان لیں اور دوسرے کے فیصلے کو ترک کر دیں۔ دونوں بیچارے جو عام آدمی ہیں، عوام میں سے ہیں، لگ گئے اس کام پر۔ اللہ جانے کس مشکل سے یہ تحقیقی کام مکمل کیا۔ جب مکمل کر چکے تو معلوم ہوا کہ دونوں کی احادیث ہمارے فرقے کے علماء کے ہاں یکساں طور پر مشہور اور قابل قبول ہیں۔ کسی کی حدیث کو دوسرے کی حدیث پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے یعنی دو متضاد اور مختلف حدیثیں ہیں اور دونوں کے صحیح ہونے پر ہمارے فرقے کے علماء متفق ہیں، دونوں کو ہمارے مکتب کے علماء یکساں طور پر قبول کرتے ہیں۔ جبکہ مولا علی علیہ السلام کا ایک ارشاد ہے:

ما اختلفت دعوتان الا کانت احداهما الضلاله

ترجمہ: جب بھی دو باتیں، دو دعوتیں، دو پیغام، دو نظریات، دو آراء ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو ان میں سے ایک ضرور باطل ہوتی ہے۔ (نہج البلاغہ حکمت:183)

اب کیا کریں؟ اب ایک نیا تحقیقاتی مشن شروع کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اب یہ دیکھو کہ ان دو ولی فقیہ حضرات میں سے کس کی حدیث قرآن وسنت کے مطابق اور عام مسلمانوں کے خلاف ہے۔ جس ولی فقیہ کی حدیث کتاب وسنت کے مطابق اور عامہ کے خلاف ہو اس کا فیصلہ قبول کیا جائے گا اور جس ولی فقیہ کی حدیث اس معیار پر پوری نہ اترے اس کے فیصلے کو چھوڑ دیا جائے۔ اب یہ دونوں افراد جو عوام میں سے ہیں، سارے کام چھوڑ چھاڑ کر اس کام پر لگ جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی حدیث کتاب وسنت کے مطابق ہے، لیکن دونوں ہی عامہ کے بھی موافق ہیں۔

یہ پھر ایک انتہائی عجیب اور قابل غور مرحلہ ہے۔ دو متضاد باتیں اور دونوں قرآن کے مطابق۔ یا للعجب! اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں واضح طور پر کہہ رہا ہے کہ:

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (نسآء:82)

ترجمہ: اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

یعنی قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں اختلافی بات کوئی نہیں۔ اب ظاہر سی بات ہے کہ جب قرآن میں اختلافی بات کوئی نہیں تو پھر دو مختلف اور متضاد باتیں، جن میں سے ایک ضرور باطل ہے، دونوں قرآن کے مطابق کیسے ہو سکتی ہیں؟

مولا علی فرما رہے ہیں کہ دو باتیں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتی ہوں تو ان میں سے ایک ضرور باطل ہوتی ہے، قرآن میں اختلاف ہے نہ وہ اختلاف کی تصدیق کرتا ہے اور یہاں دو مختلف اور متضاد باتیں، جن میں سے ایک ضرور باطل ہے، دونوں قرآن کے مطابق !!

بہر حال ان دو بیچاروں کا مسئلہ ہے کہ کسی طرح سے حل ہونے میں ہی نہیں آ رہا۔ اب انہیں کہا جا رہا ہے کہ اب یہ دیکھو کہ ان دونوں ولی فقیہ حضرات نے جس حدیث کی بنیاد پر فیصلہ دیا ہے، عامہ کے علماء ان دونوں میں سے کس کی طرف زیادہ مائل ہیں؟ اس تفتیش کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عامہ کے علماء وفقہاء وقاضی صاحبان کا

دونوں کی طرف یکساں جھکاؤ ہے۔اس معیار کے لحاظ سے بھی ان دو احادیث میں سے کسی کو دوسری پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔

اب کیا کریں؟ جواب ملتا ہے کہ اب اس وقت کا انتظار کرو جب تمہاری اپنے امام سے ملاقات ہو،تو اپنے جھگڑے اور اختلاف کا فیصلہ امام علیہ السلام سے کروالینا۔یعنی اگر زمانہ امام معصوم میں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ دو ولی فقیہ حضرات کے فیصلے آپس میں ٹکرا رہے ہوں اور امام علیہ السلام کے بیان کردہ کسی بھی معیار (Merit) پر کسی کے فیصلے کو دوسرے کے فیصلے پر برتری حاصل نہ ہو تو اس وقت کا انتظار کرو جب امام علیہ السلام سے ملاقات کا موقع ملے۔ظاہری بات ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے زمانے میں تو کسی امام کے پاس سیاسی حکومت واقتدار نہیں تھا تو ان ولی فقیہ حضرات کے پاس سیاسی اقتدار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو ان کے زمانہ حیات میں ان ہی کی طرح غاصب طاغوتی حکمرانوں کی حکومت میں زندگی گزار رہے تھے اور ولایت فقیہ کے منصب پر فائز ہو کر لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرتے تھے۔

مقبولہ عمر ابن حنظلہ سے ایک اور بہت ہی دلچسپ بات بھی سامنے آ رہی ہے کہ دو افراد کے ایک جزئی اور نجی مسئلہ پر دو ولی فقیہ حضرات کا علم وفقاہت اور ان کی عقل وبصیرت کام کر رہی ہے اور مسئلہ حل ہونے کی بجائے ملاقات امام علیہ السلام تک لٹک گیا جبکہ اس حدیث سے فقیہ کی ولایت مطلقہ یعنی بے قید وشرط حاکمیت ثابت کرنے والے کہتے ہیں کہ ایک ولی فقیہ ہوگا اور دنیا کے سب شیعہ عوام اور سب مسلمانوں کے سب مسائل کے حل کی گیدڑ سنگھی اس کے پاس ہوگی۔لہٰذا دنیا بھر کے سب شیعہ ہر وقت اسے لبیک لبیک کہتے رہیں، جو نہیں کہے گا وہ شیعہ بھی نہیں ہوگا، بلکہ منافق ہوگا، اسے جینے کا بھی کوئی حق حاصل نہیں ہوگا، اس کے خلاف مرگ بر۔۔۔ کے نعرے لگا لگا کر اسے ہر وقت ہراساں کیا جائے گا، چاہے وہ مرجع تقلید ہو اور علم وفقاہت وتقویٰ ودینداری میں ڈنڈا بردار ولی فقیہ سے کہیں زیادہ برتر ہو۔

قارئین محترم! مقبولہ عمر ابن حنظلہ اپنی پوری تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔اس حدیث سے یہ باتیں سامنے آتی ہیں:

☆ جب امام معصوم معاشرے میں موجود ہوں تو غاصب طاغوتی حکمرانوں کی قائم کردہ عدالتوں کی

طرف رجوع کرنا حرام ہے۔

☆ مومنین میں کوئی اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو کسی ایسے عالم کی طرف رجوع کریں جو علوم آئمہ معصومین علیہم السلام کی روشنی میں اختلاف کا فیصلہ کر سکتا ہو۔

☆ اگر دو علماء یعنی دو ولی فقیہ حضرات کی طرف رجوع کیا جائے اور دونوں کی رائے الگ الگ ہو تو اس کے فیصلے کو تسلیم کیا جائے گا جو علم و فقاہت میں، عدالت میں، سچائی میں، تقویٰ اور پرہیز گاری میں دوسرے سے برتر ہو۔ دوسرے ولی فقیہ کی چھٹی۔

☆ اگر دونوں ولی فقیہ حضرات علم و فقاہت میں، عدالت میں، سچائی میں، تقویٰ و پرہیز گاری میں برابر ہوں تو پھر اس کا فیصلہ مانا جائے گا جس کی حدیث پر ہمارے فرقے کے علماء کا اجماع ہو۔ دوسرے ولی فقیہ کی چھٹی۔

☆ دونوں کی احادیث ہمارے فرقے کے علماء میں یکساں طور پر مقبول ہوں تو پھر اس کا فیصلہ مانا جائے گا جس کی حدیث کتاب وسنت کے مطابق اور عامہ کے خلاف ہو۔ اور دوسرے ولی فقیہ کی چھٹی۔

☆ اگر دونوں قرآن وسنت کے مطابق اور عامہ کے موافق ہوں تو پھر جس کی طرف عامہ کے علماء و فقہاء اور قاضیوں کا جھکاؤ کم ہو گا اس کا فیصلہ مانا جائے گا اور دوسرے ولی فقیہ کی چھٹی۔

☆ اگر دونوں حدیثیں عامہ کے علماء و فقہاء اور قاضی صاحبان کے ہاں بھی یکساں مقبول ہوں تو دونوں ولی فقیہ حضرات کی چھٹی۔ ان میں سے کسی کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہو گا۔ آپ امام سے ملاقات کے موقع کا انتظار کریں اور امام سے اختلاف کا حل دریافت کریں۔

اب یہاں چند سوالات جواب طلب ہیں:

1۔ اس حدیث کے کون سے حصے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک فقیہ اپنے ملک میں تحریک چلائے، عوام کو اسلام کے نام پر اکسا کر سڑکوں پر لے آئے، ساٹھ ستر ہزار افراد مروا کر اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لے، اپنے آپ کو دنیا بھر کے شیعہ عوام کا امام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کا ولی امر سمجھنے لگ جائے اور پھر اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے وہ وہ ظلم وستم کرے جو اس کے پیش رو ظالم حکمران کے وہم وگمان میں بھی کبھی نہ آئے ہوں۔

2۔کیا عملی طور پر ایسی صورتحال پیش آنے کا کوئی امکان ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ایک مسئلہ میں دوشیعہ فقہاء، یا ولی فقیہ اختلاف کرتے ہیں، دونوں ہی علم و فقاہت میں ، عدالت میں ، سچائی میں ،تقویٰ اور پرہیز گاری میں برابر ہیں، دونوں کی حدیثیں شیعہ علماء وفقہاء کے ہاں یکساں طور پر معتبر ہیں، دونوں کی حدیثیں کتاب وسنت کے مطابق ہیں اور دونوں کی حدیثیں عامہ کے ہاں بھی یکساں طور پر مقبول ہیں ۔کیا عملی طور پر اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے؟ یہ مکمل طور پر ایک فرضی (Hypothetical) مسئلہ ہے جو روئے زمین پر نہ کبھی پیش آیا ہے نہ پیش آسکتا ہے۔اس حدیث کی سند سے قطع نظر اسی بات سے اس روایت کا امام معصوم سے صادر ہونا مشکوک ہوجاتا ہے۔یعنی سند کے ساتھ ساتھ مضمون میں بھی جھول اور اضطراب صاف نظر آرہا ہے جو اس بات کی قطعی اور ناقابل تردید دلیل ہے کہ یہ امام معصوم کی حدیث نہیں ہے۔

3۔اس روایت کے مطابق امام علیہ السلام اپنے دور کے دوشیعہ افراد کے باہمی اختلاف کو حل کرنے کے لیے رہنمائی کررہے ہیں۔اس حدیث کے کس حصے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے امام علیہ السلام اس حدیث میں اپنے ہی دور کے کسی فقیہ کی ایسی حکومت قائم کرنے کی بات کررہے ہیں جو خود امام معصوم علیہ السلام بھی قائم نہیں کرسکتے تھے۔یہ بات بھی ضرور پیش نظر رہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ حیات میں شیعہ کی تعداد بہت کم تھی ، وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھے۔کیا امام جعفر صادق علیہ السلام دوسرے حکمرانوں کی سخت جابر وظالم حکومت میں رہتے ہوئے ،شیعوں کو ریاست کے اندر ریاست اور ایک متوازی حکومت بنانے کا حکم دے رہے تھے؟

4۔اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ جو ولی فقیہ،علم وفقاہت ،عدالت ،سچائی ،تقویٰ اور پاکیزگی میں دوسرے سے برتر ہو اس کا فیصلہ مانا جائے گا۔لیکن اس حدیث سے یہ بات کہاں سے نکل آئی کہ جس ولی فقیہ کے پاس اقتدار کا ڈنڈا ہو اس کا فیصلہ مانا جائے اور وہ فقہاء جو علم وفقاہت ،عدالت ،سچائی ،تقویٰ و پرہیز گاری میں اس سے بدرجہا افضل اور برتر ہوں وہ سب کے سب بھی اس کے محکوم ہوجائیں۔صرف یہی نہیں بلکہ اگر ان میں سے کوئی اس ڈنڈا بردار ولی فقیہ کی حاکمیت سے اختلاف کرے،تو اس کی زبان بندی کردی جائے ،اس کے درس پر پابندی لگادی جائے ،اس کے ادارے ضبط کرلیے جائیں ،اس کے درس پر غنڈوں سے حملے کروائے جائیں، اس کے رسالہ توضیح المسائل پر پابندی لگادی جائے ،اس کے بنک اکاؤنٹ بند کرکے رقم اپنے من پسند افراد اور اداروں کو

دے دی جائے، اس کو گھر میں نظر بند کر دیا جائے، نظر بندی میں بیمار ہو جائے تو اسے علاج معالجہ کی سہولیات سے محروم کر دیا جائے، مر جائے تو اس کی وصیت کے مطابق اس کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھنے دی جائے، اس کی مجلس ترحیم نہ ہونے دی جائے، اگر اس کا کوئی شاگرد اپنے گھر میں اس کے لیے قرآن خوانی کروا دے تو اسے بھی گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جائے اور پھر اس طرز حکومت کو حضرت علی (علیہ السلام) کا طرز حکومت کہا جائے۔ جس فقیہ کی حکومت میں فقہاء پر اس قسم کی جابرانہ پابندیاں اور مظالم ہوں اس کی حاکمیت ولایت طاغوت ہوگی یا ولایت الٰہیہ؟

دوسری دلیل:

اب ایک اور حدیث کا جائزہ لیتے ہیں جس سے ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اللھم ارحم خلفائی، اللھم ارحم خلفائی، اللھم ارحم خلفائی۔ قیل من خلفائک؟ قال الذین یاتون من بعدی و یروون حدیثی و سنتی و یعلمونھا الناس (وسائل الشیعہ 92:27)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما، یا اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما، یا اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ جو میرے بعد آئیں گے میری حدیث اور سنت کو بیان کریں گے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے۔

اس حدیث سے ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ پر استدلال کرنے والوں کا استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں سنت رسول اور حدیث رسول کو بیان کرنے والوں اور لوگوں کو سنت رسول اور حدیث رسول کی تعلیم دینے والوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکمران بھی تھے لہٰذا ان کے خلفاء کے لیے بھی حق حکمرانی ثابت ہے۔

مقبولہ عمر بن حنظلہ اور اس حدیث اور ایسی ہی دیگر احادیث سے فقیہ کی ولایت مطلقہ یعنی بے قید و شرط حاکمیت پر استدلال کرنے والوں پر یہ حکایت صادق آتی ہے کہ کسی بھوکے سے پوچھا گیا کہ دو اور دو کتنے ہوتے

ہیں تو اس نے جواب دیا: چار روٹیاں۔ حالانکہ سوال میں روٹیوں کا ذکر اشارۃً بھی موجود نہیں تھا۔

ان اقتدار کے بھوکوں سے کوئی پوچھے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنیادی طور پر معلم نہیں تھے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنیادی کام لوگوں کو تعلیم دینا نہیں تھا؟ سورۂ جمعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ

وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ

ترجمہ: اللہ نے اُمّی لوگوں میں خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

نیز یہ حدیث بھی نہایت قابل توجہ ہے:

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاذا فی المسجد مجلسان: مجلس یتفقھون و مجلس یدعون اللہ و یسئلونہ فقال کلا المجلسین الی خیر، اما ھٓوءلاء فیدعون اللہ و اما ھٓوءلاء فیتعلمون و یفقھون الجاھل، ھٓوءلاء افضل، بالتعلیم ارسلت فقعد معھم۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر مسجد میں آئے تو دیکھا کہ وہاں دو مجلسیں برپا ہیں۔ ایک مجلس میں لوگ تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں اور دوسری مجلس میں لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعا میں مشغول ہیں۔ آپ نے فرمایا دونوں مجلسیں خیر کی طرف ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے ذکر اور دعا میں مصروف ہیں اور یہ علم حاصل کرنے اور جاہلوں کو تعلیم دینے میں مصروف ہیں۔ یہ افضل ہیں، مجھے بھی تعلیم کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ پھر آپ اس مجلس میں بیٹھ گئے۔ (بحارالانوار 1:206)

اس حدیث سے اور ایسی ہی بہت سے احادیث سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنیادی طور پر تعلیم و تربیت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ آپ کا بنیادی فریضہ لوگوں کو تعلیم دینا تھا اور آپ کی بنیادی حیثیت ایک معلم کی حیثیت تھی۔

زیر بحث حدیث (**اللھم ارحم خلفائی**) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بیان فرمارہے ہیں

کہ جو علماء لوگوں کو احادیث نبوی اور سنت نبوی کی تعلیم دیں گے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اصل کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء ہیں۔اس حدیث میں احادیث مبارکہ اور سنت نبوی اور ان کی تعلیم کی اہمیت بیان کی جارہی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی جیسے امیر المومنین علیہ السلام نے علم اور مال و دولت کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ علم مال و دولت سے افضل ہے اس لیے کہ علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فرعونوں کی میراث ہے۔ (بحارالانور 1:185)

کیا مولا علی کے اس فرمان کی روشنی میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اب ہر مالدار آدمی کہنا شروع کر دے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق میں فرعون کا وارث ہوں اور فرعون کے پاس بادشاہی اور حکومت تھی، لہٰذا بادشاہی اور حکومت بھی فرعون کی وراثت ہے جو فرعون کا وارث ہونے کی حیثیت سے میرا حق ہے۔

علم، عالم اور تعلیم کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کرنے والی احادیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ اقتدار ملاؤں کا حق ہے اور اصرار کرنا کہ لوگ حکومت و اقتدار ملاؤں کے حوالے کر دیں ایک انتہائی عجیب، انتہائی بیہودہ اور انتہائی لغو بات ہے۔

بنیادی طور پر اسلام میں حکومت اور سیاسی اقتدار کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔امیر المومنین علیہ السلام اپنے پھٹے ہوئے جوتے کی مرمت کر رہے تھے۔ان کے چچا زاد بھائی اور شاگرد عبداللہ ابن عباس یہ منظر دیکھ رہے تھے۔آپ نے ان سے سوال کر دیا کہ ابن عباس اس جوتی کی کیا قیمت ہو گی؟ ابن عباس نے کہا: اس جوتے کی کوئی قیمت نہیں ہے۔آپ نے جواب دیا: اللہ کی قسم مجھے یہ جوتا تم لوگوں پر حکومت کرنے سے زیادہ محبوب ہے، مگر یہ کہ حکومت کا مقصد یہ ہو کہ میں کسی حق کو قائم اور کسی باطل کو دور کر سکوں۔ (نہج البلاغہ خطبہ 33)

جس حکومت کو امیر المومنین علیہ السلام اپنے پھٹے ہوئے پرانے جوتے سے بھی پست قرار دے رہے ہیں اس حکومت کو حاصل کرنے کے لیے ہزاروں افراد کی جان کی قربانی دینا اور پھر اسے حاصل کرنے کے بعد اسے قائم رکھنے کے لیے ہر قسم کے ظلم کا ہتھیار استعمال کرنا، اسلام اور تشیع سے کوئی مناسب نہیں رکھتا۔

اب ممکن ہے ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کا کوئی طرفدار یہ کہہ دے کہ چونکہ معاشرے میں عدل قائم کرنا ضروری ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ حکومت فقہاء کے پاس ہو۔اس کے جواب میں ہم دو باتیں کہیں گے:

1۔ یہ بات ایک بے بنیاد خیال کے سوا کچھ نہیں کہ عدل کی حکومت قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت فقیہ کے پاس ہو۔ بلکہ حالات وواقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر عدل قائم کرنا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اقتدار ملاؤں کے ہاتھ میں نہ ہو۔ مُلا حضرات اور کچھ کر سکتے ہوں یا نہیں، اقتدار حاصل کرنے کے بعد عدل ہر گز نہیں کر سکتے۔

2۔ معاشرے میں عدل قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حاکم عادل ہو، چاہے کافر ہو، اور ملک کا عدالتی نظام ٹھیک طرح سے کام کر رہا ہو اور لوگوں کو انصاف مل رہا ہو۔

الملک یبقی مع الکفر و لا یبقی مع الظلم

ترجمہ: حکومت کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔ (بحار 73:331)

اس کا مطلب واضح طور پر یہ ہے کہ اگر حکمران کافر ہو لیکن لوگوں کو انصاف مل رہا ہو تو کفر کی یہ حکومت فقیہ کی اس حکومت سے افضل ہے جس میں لوگوں کو انصاف نہ مل رہا ہو۔

لہٰذا حدیث **اللھم ارحم خلفائی** سے یہ ہر گز مراد نہیں کہ چونکہ رسول اللہ حاکم تھے، اور علماء ان کے خلفاء ہیں لہٰذا حکومت بھی ان کا حق ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنیادی طور پر معلم تھے، ان کا بنیادی کام لوگوں کو اللہ کے دین کی تعلیم دینا تھا لہٰذا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت کو احادیث رسول اور سنت رسول کی تعلیم دینے کے مقدس کام میں مصروف ہیں وہ تبلیغ دین اور تعلیم و تربیت کے کام میں رسول اللہ کے خلفاء ہیں۔

یہ بات بھی ضرور پیش نظر رہے کہ حکومت کا مقصد معاشرے میں نظم وضبط قائم کرنا ہوتا ہے تاکہ سب لوگ قانون کے مطابق اپنے اپنے دائرے میں رہ کر کام کریں اور کوئی شخص قانون کی خلاف ورزی نہ کرے۔ لیکن اگر اس حدیث سے یہ معنی لیے جائیں کہ ہر وہ شخص جو احادیث بیان کرتا ہے اور لوگوں کو حدیث رسول اور سنت رسول کی تعلیم دیتا ہے اسے حکمرانی کا حق حاصل ہے تو اس کا نتیجہ سوائے بدنظمی اور آشوب کے کچھ نہیں ہوگا۔ ایک ملک اور شہر کو چھوڑ دیں بعض اوقات ایک گاؤں میں ایسے دو تین علماء موجود ہوتے ہیں جو لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور سنت کی تعلیم دے رہے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ کہنا شروع کر

دے کہ میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اقتدار کے حصول کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگ جائے تو معاشرے کی کیا صورت حال ہو جائے گی؟ پاکستان جیسا ملک جس میں کئی اسلامی فرقے ہیں اور ہر فرقے کے کئی کئی ذیلی فرقے ہیں، اگر یہاں ہر فرقے کا اور ہر فرقے کے ہر دھڑے کا ہر عالم یہ کہنا شروع کر دے کہ میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور پاکستان پر حکومت کرنا میرا حق ہے، تو ذرا سوچیں پاکستان کا کیا حشر ہو جائے گا؟

اس بات کو اس انداز سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ و آلہ وسلم نے اپنے بعد اپنی سنت اور احادیث کی تعلیم دینے والے ہر عالم کو اپنا خلیفہ کہا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ وہ سب افراد جو یہ رسالتی فریضہ انجام دے رہے ہیں وہ سب کے سب بیک وقت رسول اللہ کے خلفاء ہیں اور بیک وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کے منصب پر فائز ہیں۔ لیکن اتنے سارے افراد ایک ہی وقت میں مملکت کے حاکم نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب معلم ہونے میں رسول اللہ کے خلیفہ ہیں اور اس خلافت کا حکومت اور حکمرانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک ضروری وضاحت:

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث میں اپنے بعد کے زمانے کی بات کر رہے ہیں۔ اس بات میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کا دور آئمہ معصومین علیہم السلام کی امامت کا دور ہے نہ کہ فقہاء کی ولایت کا ۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ** کہہ کر اپنے بعد کے لیے مولا علی علیہ السلام کی ولایت وامامت کا اعلان کر رہے ہوں اور دوسری طرف **اللھم ارحم خلفائی** کہہ کر احادیث نبوی اور سنت نبوی کی تعلیم دینے والے سب علماء کو بھی اپنا خلیفہ اور ایسا حاکم قرار دے رہے ہوں جو ولایت مطلقہ یعنی بے قید وشرط حاکمیت کے حامل ہوں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کے متضاد بیانات صادر فرما سکتے ہیں؟

بنابریں حدیث **اللھم ارحم خلفائی** کی دو تشریحات کی جا سکتی ہیں:

پہلی تشریح:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور سنت کی تعلیم دینے والے علماء سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ اس بات پر ہمارے پاس مضبوط دلائل موجود ہیں۔ پہلی دلیل حدیث ثقلین ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی، ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا ابعدی، و انھما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض

ترجمہ: میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی عترت اپنے اہل بیت، تم جب تک ان دونوں کے ساتھ وابستہ رہو گے میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے، اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ ایک ساتھ حوض پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود یہ بات واضح فرمادی کہ قرآن مجید کے ساتھ، قرآن اور سنت رسول کے معلم آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ پس اللھم ارحم خلفائی میں بھی خلفاء سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں، نہ کہ عام علماء۔

یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم: من احب ان یرکب سفینۃ النجاۃ و یستمسک بالعروۃ الوثقیٰ و یعتصم بحبل اللہ المتین فلیوال علیا بعدی و لیعاد عدوہ و لیاتم بالھداۃ من ولدہ۔ فانھم خلفائی و اوصیائی و حجج اللہ علی الخلق بعدی (بحار الانوار جلد 23 صفحہ 144)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ نجات کی کشتی پر سوار ہو اور قابل اعتماد سہارے کو تھام لے اور اللہ کی مضبوط رسی کو پکڑ لے تو اسے لازم ہے کہ میرے بعد علی کو اپنا ولی مانے اور ان کے دشمن سے دشمنی کرے اور ان کی اولاد سے ہونے والے ہدایت دینے والوں کو امام مانے۔ یہی میرے بعد میرے خلفاء میرے اوصیاء اور اللہ کی حجت ہیں۔

اس حدیث میں فانھم خلفائی (یہی میرے خلفاء ہیں) کے الفاظ سے بہت اچھی طرح معلوم

ہوجاتا ہے کہ حدیث **اللھم ارحم خلفائی** میں خلفائی سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں جن کے پاس کوئی سیاسی اقتدار نہیں تھا۔

2:امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث ہے:

الناس ثلاثة اصناف عالم و متعلم و غثاء: فنحن العلماء

و شیعتنا المتعلمون و سائر الناس غثاء

ترجمہ: لوگوں کی تین قسمیں ہیں: عالم، متعلم (یعنی طالب علم) اور گھاس پھوس۔ ہم علماء ہیں، ہمارے شیعہ طالب علم ہیں اور باقی لوگ گھاس پھوس ہیں۔ (کافی جلد 1، باب اصناف الناس حدیث 4)

اس حدیث کی رو سے آئمہ معصومین علیہم السلام کے سوا کوئی عالم ہے ہی نہیں۔ عالم صرف وہی ہیں۔ ان کے سب شیعہ طالب علم ہیں خواہ بظاہر بڑے بڑے علماء و مجتہدین ہوں۔ لہٰذا حدیث **اللھم ارحم خلفائی** کو اس حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو بھی خلفاء سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہوں گے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ زمانہ قدیم سے ہمارے علماء و فقہاء نے بھی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ یہاں خلفاء سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں نہ کہ عام راوی اور غیر معصوم علماء۔ اس حدیث سے ولایت فقیہ بمعنی فقیہ کی بے قید و شرط حاکمیت پر استدلال کرنا انتہائی عجیب ہے۔

دوسری تشریح:

اس حدیث (**اللھم ارحم خلفائی**) میں ذیلی اور فرعی طور پر خلفائی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو احادیث نبوی اور سنت نبوی کا علم رکھتا ہو اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیتا ہو اور لوگوں کو دین کے احکام کی تعلیم دینے کے معزز اور محترم کام کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو اپنا خلیفہ قرار دیا۔ بنابرین ہر وہ شخص جو قرآن و سنت کا علم حاصل کرنے کے بعد لوگوں کو ان کی تعلیم دے، خواہ کسی بہت بڑے تعلیمی مرکز میں آیت اللہ العظمٰی کے طور پر درس دے رہا ہو، یا کسی چھوٹے سے گاؤں کی مسجد کے پیش نماز کے طور پر، یا کسی سکول، کالج یا یونیورسٹی میں اسلامیات کے استاد کے طور پر، وہ رسول اللہ کا خلیفہ ہے بشرطیکہ جن چیزوں کی تعلیم دیتا ہے خود ان پر عمل پیرا بھی ہو۔ اس لیے کہ بہت سی احادیث میں عالم بے عمل کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

اس ساری تشریح سے یہ بات واضح اور ثابت ہو جاتی ہے کہ حدیث (**اللھم ارحم خلفائی**) کا سیاسی حکومت و اقتدار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ائمہ معصومین علیہم السلام سیاسی اقتدار اور حکومت کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء ہو سکتے ہیں تو علماء بھی سیاسی اقتدار اور حکومت کے بغیر نیابت و خلافت رسول کے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ اس حدیث سے ملاؤں کے سیاسی اقتدار کو ثابت کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا دو اور دو چار روٹیوں والا معاملہ ہوگا۔

تیسری دلیل:

ولایت فقیہ بمعنی فقیہ کی بے قید و شرط حاکمیت پر مندرجہ ذیل روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے جبکہ یہ روایت واضح طور پر ایک مختلف حقیقت کی طرف رہنمائی کر رہی ہے:

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم: الفقھاء امناء الرسل ما لم یدخلوا فی الدنیا، قیل یا رسول اللہ ما دخولھم فی الدنیا؟ قال اتباع السلطان، فاذا فعلوا ذالک فاحذروھم علی دینکم

ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فقہاء رسولوں کے امین ہیں جب تک دنیا میں داخل نہ ہوں۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! ان کے دنیا میں داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: حکمرانوں کی پیروی۔ اور جب وہ ایسا کریں تو اپنے دین کے معاملے میں ان سے ڈرو۔ (کافی 1:46)

اس روایت سے ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ پر استدلال کرنے والوں کی عقل پر تعجب ہوتا ہے۔ یہ حدیث واضح طور پر فقہاء کی ذمہ داری کی حساسیت اور سنگینی کو بیان کر رہی ہے۔ اس حدیث میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ بنیادی طور پر سب فقہاء رسولوں کے امین ہیں۔ اللہ نے جو پیغام، ہدایات اور احکامات رسولوں کے ذریعے لوگوں کے لیے بھیجے ہیں رسولوں کے بعد وہ علماء و فقہاء کے پاس رسولوں کی امانت ہیں۔ وہ اس وقت تک امین رہیں گے جب تک بادشاہوں اور حکمرانوں سے دور رہیں گے۔ اس لیے کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے اپنے حکومتی اور سیاسی مفادات ہوتے ہیں۔ جو علماء و فقہاء ان بادشاہوں کے درباری و حواری، ان کے کاسہ لیس اور آلہ

کا ربن جاتے ہیں وہ دینی احکام میں ان کی مرضی کے مطابق ردو بدل کر دیتے ہیں اس لیے وہ امین نہیں رہتے بلکہ خائن بن جاتے ہیں۔ جب وہ حکمرانوں کے پیرو کار اور آلہ کار بن جائیں تو سمجھ لو کہ تمہارے دین کی خیر نہیں۔ اب ان سے بچنا اور دور رہنا لازمی ہے۔

یہ روایت واضح طور پر علماء وفقہاء کی حکومت کی نفی پر دلالت کر رہی ہے۔ اس روایت سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقہاء وعلماء جو حاکم نہیں ہیں، حکومت واقتدار میں نہیں ہیں اور حکومت اور حکمرانوں سے دور رہتے ہیں، ان کے کاسہ لیس نہیں بنتے وہ رسولوں کے امین ہیں۔ یعنی معاشرے میں سلطان، بادشاہ اور حکمران بھی موجود ہیں، حکومت ان کی ہے اور اقتدار بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ دوسری طرف اسی معاشرے میں، اسی ملک میں، انہی بادشاہوں اور حکمرانوں کی حکومت میں علماء وفقہاء بھی موجود ہیں۔ جو علماء اور فقہاء حکمرانوں اور بادشاہوں کے پیرو کار اور آلہ کار نہیں بنتے وہ رسولوں کی امانت کے امین ونگہبان سمجھے جائیں گے۔ جیسے ہی کوئی فقیہ کسی بادشاہ یا حاکم کا پیرو کار اور آلہ کار بنے گا، رسولوں کا امین نہیں رہے گا۔ اب دین کے معاملے میں اس پر اعتماد اور بھروسا نہیں کیا سکے گا، اب دین کے معاملے میں اس سے بچنا لازمی ہو جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بات کہاں سے نکل آئی کہ حکومت کرنا فقہاء کا حق ہے۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر بادشاہ اور حکمران کے کاسہ لیس اور آلہ کار بن جانے والے فقہاء وعلماء سے بچ کر رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو ان علماء وفقہاء سے بچنا کتنا ضروری ہوگا جو خود حاکم اور بادشاہ بن بیٹھیں اور ظلم وستم، فساد وخیانت اور پستی ودنائت میں عام بادشاہوں اور حکمرانوں سے دس ہاتھ آگے نکل جائیں۔ یہ حدیث صاف الفاظ میں یہ کہہ رہی ہے کہ علماء وفقہاء جب تک حکمرانوں، بادشاہوں اور سیاست واقتدار سے دور رہیں گے رسولوں کے امین رہیں گے جیسے ہی سیاست اور اقتدار کی طرف جھکیں گے رسولوں کے امین نہیں رہیں گے۔

جو بات اس حدیث میں بیان کی گئی ہے اس کے بالکل برعکس بات کو اس سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا خود ایک بڑی ہی عجیب قسم کی خیانت اور حیرت انگیز قسم کی فقاہت ہے۔

☆☆☆

چوتھی دلیل:

علی ابن حمزہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

اذا مات المؤمن بکت علیه الملائکةوبقاع الارض التی کان یعبد الله علیهاوابواب السماء التی کان یصعد فیها باعماله و ثلم فی الاسلام ثلمة لا یسدها شئ الان المومنین الفقهاء حصون الاسلام کحصن سور المدیینة لها

ترجمہ: جب کوئی مومن مرتا ہے تو فرشتے، زمین کے وہ ٹکڑے جن پر وہ اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا اور آسمان کے دروازے جن سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے اس پر گریہ کرتے ہیں اور اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جسے کوئی چیز پُر نہیں کرسکتی اس لیے کہ اسلام کو سمجھنے والے مومن افراد اسلام کا قلعہ ہوتے ہیں جس طرح شہر کی دیواریں شہر کی حفاظت کرتی ہیں۔ (کافی جلد اول باب فقد علماء حدیث 3)

اس حدیث سے بھی ولایت فقیہ پر استدلال کیا گیا ہے اور استدلال اس نکتے سے کیا گیا ہے کہ اس روایت میں فقہاء کو اسلام کے قلعے کہا گیا ہے جو اسلام کی حفاظت کرتے ہیں اور قلعہ کی طرح اسلام کی حفاظت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ فقہاء کے پاس حکومت اور سیاسی اقتدار ہو۔ اس استدلال پر یہی کہا جا سکتا کہ ماشاء اللہ! چشم بد دور۔

اس حدیث میں جو لفظ فقہاء استعمال ہوا ہے اس سے فقیہ کے مروجہ مخصوص معانی مراد لینا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے **المومنین الفقهاء** جس کے معنی ہیں دین کو سمجھنے والے مومنین۔ اب ضروری نہیں کہ دین کو سمجھنے والے مومنین لازمی طور پر مولوی یا مجتہدین کے طبقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ ممکن ہے ایک مومن ڈاکٹر ہو، انجنئیر ہو، تاجر ہو، کسان ہو اور دین کی اچھی سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہو۔ ہم صفحہ 13 پر یہ حدیث نقل کر آئے ہیں کہ جو مومن 40 احادیث کی حفاظت کرتا ہو، یعنی ان کو اچھی طرح سمجھ کر ان پر عمل کرتا ہو اور لوگوں کو بھی ان پر عمل کی ترغیب دیتا ہو قیامت کے اللہ تعالیٰ اسے ایک فقیہ کے طور پر محشور فرمائے گا۔

اس حدیث میں دین کو سمجھنے کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ دینداروں کی دو قسمیں قابل تصور ہیں۔ ایک

وہ جو دین کا سطحی علم رکھتے ہوئے دین پرعمل کرتے ہیں، واجبات کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں،محرمات سے اجتناب کرتے ہیں لیکن دین کی گہری سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ دوسرے وہ ہیں جو دین کی گہری سمجھ بوجھ بھی رکھتے ہیں۔ جو لوگ دیندار ہوتے ہیں لیکن دین کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے انہیں آسانی سے دین کے نام پر بے وقوف بنایا جاسکتا ہے، ان کی خوش اعتقادی کی بنیاد پر ان کو دین کے نام پر گمراہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جو مومنین دین کی اچھی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ خود اس قسم کے فتنوں کا شکار نہیں ہوتے بلکہ اس قسم کے فتنوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور اس قسم کے فتنوں سے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

قصم ظهری عالم متهتک و جاهل متنسک

فالجاهل یغش الناس بتنسکه و العالم یغر الناس بتهتکه

ترجمہ: دو قسم کے لوگوں نے میری کمر توڑ دی: بدعمل عالم اور جاہل عبادت گزار۔ جاہل عبادت گزار لوگوں کو اپنی عبادت سے دھوکا دیتا ہے اور بدعمل عالم اپنی بدعملی سے لوگوں کو دھوکا دیتا ہے۔ (بحارالانوار 111:3)

ظاہری بات ہے کہ ان دو گروہوں کے فریب میں وہی لوگ آتے ہیں جو دین دار ہوتے ہیں لیکن دین کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے مومن خود بھی ان دو گروہوں کے دھوکے اور فریب سے محفوظ رہتے ہیں اور ان کے فریب کا پردہ چاک کر کے دوسروں کے دین کو بھی ان کے شر اور فتنہ سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے کہ چونکہ یہ حدیث دین کی گہری سمجھ بوجھ رکھنے والے مومنین کو دین کی حفاظت کرنے والا قلعہ قرار دے رہی ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ حکومت فقہاء کا حق ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ہمارے ملک پاکستان میں ایک منافق ڈکٹیٹر (جنرل ضیاء) نے ریفرنڈم کرایا۔ ریفرنڈم میں پاکستان کے عوام سے سوال پوچھا گیا کہ کیا آپ پاکستان میں اسلامی نظام چاہتے ہیں؟ اگر آپ اسلامی نظام چاہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اگلے پانچ سال کے لیے پاکستان کا صدر رہوں گا۔

مومنین غور فرمائیں کیا آئمہ معصومین علیہم السلام دین کے محافظ نہیں تھے؟ یقیناً تھے۔ کیا ان کے پاس حکومت تھی؟ بالکل نہیں تھی۔ یعنی آئمہ معصومین علیہم السلام سیاسی اقتدار اور حکومت کے بغیر دین کی حفاظت کا

فریضہ انجام دیتے رہے۔لہٰذا دین کی حفاظت کے لیے سیاسی اقتدار کو ضروری سمجھنا اور اس حدیث سے اس پر استدلال کرنا ایک لغو استدلال ہے اور اس قسم کا استدلال کرنے والوں کے ضعف فقاہت کی دلیل ہے۔

پانچویں دلیل: روایت ابوخدیجہ:

ابوخدیجہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے اپنے اصحاب کی طرف بھیجا کہ انہیں یہ پیغام دوں کہ:

ایاکم اذا وقعت بینکم خصومة او تداری بینکم فی شیء من الاخذ و العطاء ان تتحاکموا الیٰ احد من ھٰؤلآء الفساق، اجعلوا بینکم رجلاممن قد عرف حلالنا و حرامنا فانی قد جعلته قاضیا و ایاکم ان یخاصم بعضکم بعضا الی السلطان الجائر۔ (تہذیب الاحکام 303:6)

ترجمہ: جب تمہارے درمیان کوئی جھگڑا ہو جائے یا کسی لین دین میں کوئی اختلاف ہو جائے تو خبردار ان فاسقوں میں سے کسی سے فیصلہ کروانے نہ جانا، اپنے میں سے کسی شخص کو جو ہمارے حلال وحرام سے آگاہی رکھتا ہو ثالث بنا لو، بے شک میں نے اسے قاضی مقرر کیا ہے اور خبردار آپس کے جھگڑے ظالم حکمرانوں کے پاس نہ لے جاؤ۔

اس حدیث سے بھی زیادہ سے زیادہ وہی بات ثابت ہوتی ہے جو مقبولہ عمر ابن حنظلہ سے ثابت ہوتی ہے کہ امام معصوم کی موجودگی میں جو بھی ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر حاکم یا قاضی بنے گا وہ طاغوت، ظالم اور فاسق ہوگا۔اس کا انکار واجب اور اس کی عدالت میں جانا حرام ہوگا۔لیکن دور حاضر میں جب کہ امام معصوم پردہ غیبت میں ہیں، اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے اس روایت کے ان الفاظ سے استدلال کیا جائے کہ اس روایت میں فاسق اور ظالم کی عدالت میں جانے سے منع کیا گیا ہے خواہ وہ زمانہ حضور امام میں ہو یا زمانہ غیبت میں۔اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اگر زمانہ غیبت میں جائز قانونی طریقے سے قائم ہونے والی حکومت کی عدالتیں عدل وانصاف فراہم کر رہی ہوں، تو اس پر اس روایت کا اطلاق نہیں ہوگا۔سب سے اہم یہ کہ جب فاسق اور ظالم کی عدالت کی طرف رجوع کرنے سے منع کیا جا رہا ہے تو اس میں ہر فاسق اور ظالم آجاتا ہے خواہ وہ کوٹ پتلون اور ٹائی میں ہو یا عبا قبا وعمامہ میں۔اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ امام علیہ السلام یہ فرمائیں کہ اگر فاسق اور ظالم قاضی نے کوٹ پتلون اور ٹائی پہنی ہوئی تو اس کی عدالت میں نہ جاؤ لیکن عمامہ وعبا قبا میں ملبوس ہو اور اس کا پیٹ

مال امام سے بھرا ہوا ہوتو اس کی عدالت میں چلے جاؤ۔ **الملک یبقیٰ مع الکفر و لا یبقی مع الظلم** (حکومت کفر کے ساتھ باقی رہ سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی) سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو عدل و انصاف فراہم کرنے والی کافر حکومت فقیہ کی اس حکومت سے بہتر ہے جس میں لوگوں کو عدل و انصاف نہ ملے۔

چھٹی دلیل:

مجاری الامور و الاحکام علیٰ ایدی العلماء باللّٰہ الامناء علیٰ حلالہ و حرامۃ

ترجمہ: اموراور احکام کا نفاذ اور اجراء علماء کے ہاتھ میں ہے جو اللہ کی معرفت رکھتے ہوں اور اس کے حلال و حرام کے امین ہوں۔(بحار الانوار جلد 97 صفحہ 80)

یہ جملہ امام حسین علیہ السلام سے منقول ایک طویل روایت کا اقتباس ہے۔ ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کے طرفدار اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ امور کا نفاذ اور اجراء علماء کے ہاتھ میں ہے۔ اور چونکہ امور کا نفاذ اور اجراء حکومت کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا لازمی ہے کہ حکومت علماء کے ہاتھ میں ہو تا کہ وہ امور کا نفاذ اور اجراء کر سکیں۔

یہ استدلال چند لحاظ سے غلط ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اس حدیث میں لفظ علماء استعمال ہوا ہے جب کہ اس سے ولایت فقیہ پر استدلال کرنے والے علماء سے مجتہدین مراد لیتے ہیں۔ علماء کا لفظ عام ہے اس میں مجتہد اور غیر مجتہد دونوں آجاتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ بھی ایک غلط تصور بن گیا ہے کہ علماء سے مراد صرف مولوی صاحبان ہیں۔ ہوسکتا ہے کوئی شخص مولوی نہ ہو لیکن علم اور تقویٰ میں بہت سے مولوی صاحبان سے بہت برتر ہو۔ یہ حدیث صرف یہ کہہ رہی ہے کہ معاشرے کے امور جاہل اور بے ایمان افراد کے ہاتھ میں نہیں ہونے چاہیئیں بلکہ ایماندار اور صاحب علم افراد کے ہاتھ میں ہونے چاہیئیں جو اللہ کے حلال و حرام کے بارے میں امانت دارانہ رویہ رکھتے ہوں۔ ہم ہر معاشرے میں ایسے بہت سے افراد کو دیکھ سکتے ہیں جو مولوی نہیں ہیں لیکن علم اور تقویٰ اور حلال و حرام کی پابندی میں بہت سے مولوی صاحبان اور مجتہدین سے بھی بہتر اور برتر ہیں۔ قومی اور معاشرتی امور ایسے افراد کو سونپ دینے سے اس حدیث پر عمل درآمد ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات کسی

طرح ثابت نہیں ہوتی کہ اقتدار ملاؤں کے ہاتھ میں دے دو اور پھر ان کو اور ان کی حکومت کو مقدس گائے بنا کر اس کی پرستش شروع کردو اور ان کے لیے لبیک لبیک کے نعرے لگانے شروع کردو اور جو اِن سے اختلاف کرے اسے سب بنیادی انسانی حقوق سے محروم کردو۔

اس حدیث میں بیان شدہ لفظ علماء کو مولوی اور وہ بھی مجتہد مولوی میں محدود کرنا بذات خود جہالت ہے اور خلاف امانت ہے۔ بفرض محال ایک منٹ کے لیے مان لیتے ہیں کہ اس سے مراد مولوی صاحبان اور فقہاء و مجتہدین ہی ہیں تو پاکستان جیسے معاشرے میں جہاں بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں اور ہر فرقے کے اندر پھر ذیلی فرقے ہیں، کس فرقے اور کس دھڑے کے مولوی صاحبان مراد لیے جائیں گے؟

ساتویں دلیل:

اما الحوادث الواقعة فارجعوا فیھا الی رواۃ احادیثنا

فانھم حجتی علیکم و انا حجت اللہ

ترجمہ: جہاں تک نئے پیش آنے والے واقعات کا تعلق ہے ان میں ہماری احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں۔

استدلال یہ ہے کہ چونکہ امام علیہ السلام نے راویان حدیث کو اپنی حجت قرار دیا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کے پاس اقتدار کا ہونا ضروری ہے۔ اقتدار کے بغیر کوئی حجت کیسے ہوسکتا ہے؟ کوئی ان ''عقلمندوں'' سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ کے سب انبیاء اللہ کی مخلوق پر اللہ کی حجت تھے۔ کیا ان سب کے پاس اقتدار تھا؟ کیا اقتدار کے بغیر وہ حجت نہیں تھے؟ آئمہ معصومین علیہم السلام اللہ کی حجت تھے۔ کیا ان سب کے پاس اقتدار تھا؟ وہ اقتدار کے بغیر بھی، بلکہ زندان اور نظر بندی کی حالت میں بھی حجت تھے، بلکہ اپنی شہادت کے بعد بھی حجت ہیں۔ کیا مولا علی علیہ السلام اور دیگر آئمہ معصومین علیہم السلام آج کے مومنین پر حجت نہیں ہیں؟ پس حجت ہونے کا اقتدار اور حکومت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس حدیث میں حوادث واقعہ کی بات ہو رہی ہے۔ حوادث حادثہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کوئی بھی نئی چیز یا نئی بات۔ واقعہ کسی بھی وقوع پذیر ہونے والی چیز کو کہا جاتا ہے۔ پس حوادث واقعہ سے مراد نئے پیش

آنے والے حالات وواقعات ہیں۔اس حدیث میں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ زمانہ غیبت میں پیش آنے والے نئے مسائل ، نئے حالات و واقعات میں شریعت کے مطابق عمل کرنے کے لیے شرعی حکم جاننے کے لیے ہماری احادیث کے علماء کی طرف رجوع کرواوران سے شرعی حکم معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرو۔ ہمارے دور میں حوادث واقعہ سے مراد اعضاء کی پیوند کاری، بنکنگ ، انشورنس، کار اور گھر کے لیے بنکوں کی فنانسنگ سکیمیں، رؤیت ہلال کے حوالے سے سائنس دانوں کی پیشین گوئی اوران جیسے دیگر بہت سے فرعی مسائل ہو سکتے ہیں۔ غیراسلامی مما لک میں رہنے والے افراد کے لیے ایسے مسائل اور بھی زیادہ ہو سکتے ہیں۔اس حدیث میں حکم دیا جارہا ہے کہ ایسے مسائل میں شرعی حکم کا علم حاصل کرنے کے لیے احادیث آئمہ کے علماء سے رجوع کرو، ان سے ان مسائل کے حکمِ شرعی کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کرو۔اس سے یہ بات کہاں سے نکلتی ہے کہ اقتدار فقہاء کے حوالے کردو۔ ہندوستان ، پاکستان، امریکا، برطانیہ،کینیڈا، آسٹریلیا میں کسی شیعہ مسلمان کوکوئی نیا مسئلہ پیش آجائے جس کے بارے میں وہ شرعی حکم سے ناواقف ہےتو اس کا حل کیا ہے؟ علوم آل محمد کے جاننے والے کسی عالم کی طرف رجوع کر کے حکم شرعی معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرنا یاان مما لک میں فقیہ کی حکومت قائم کرنے کی تحریک چلانا ؟اوراگرکسی ملک میں فقیہ کی حکومت قائم ہوجائے توکیااس ملک کے عوام کو نئے پیش آنے والے مسائل میں علماءوفقہاء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی یااس ملک میں نئے مسائل پیش آنابند ہوجائیں گے؟اس حدیث کا حکومت اورسیاسی اقتدارسے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اس روایت کے لفظ حجت سے بہت فریب کاری کی جاتی ہے۔حجت کے معنی کوزیادہ واضح طور پر جاننے کے لیےامام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیے:

قال سمعت جعفر ابن محمد علیهما السلام و قد سئل عن قوله تعالیٰ: فلله الحجة البالغه فقال ان الله تعالیٰ یقول للعبد یوم القیامة : اکنت عالما؟ فان قال :نعم، قال له افلا عملت بما علمت۔ و ان قال کنت جاهلاقال له افلاتعلمت حتیٰ تعمل، فیخصمه و ذالک الحجة البالغه

ترجمہ:مسعد بن زیاد سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا: اللہ کی حجت بالغ ،یعنی تمام چکی ہے۔آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے

دن بندے سے پوچھے گا: کیا تو عالم تھا؟ اگر وہ کہے گا ہاں تو اللہ تعالیٰ کہے گا: پھر تو نے اپنے علم پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اور اگر وہ کہے گا کہ میں جاہل تھا تو اللہ تعالیٰ کہے گا: پھر تو نے علم حاصل کیوں نہ کیا تا کہ علم کے مطابق عمل کرتا۔ پس اللہ کی حجت کے بالغ یعنی تمام ہونے کے یہ معنی ہیں۔ (بحارالانوار جلد 1، کتاب العلم باب 1، حدیث 58)

اس روایت (اما الحوادث الواقعه) سے ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقہاء پر استدلال کوئی ایسا شخص ہی کرسکتا ہے جو فہم حدیث میں بہت ہی کمزور ہو۔ مزید برآں جو علماء وفقہاء اس حدیث سے ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ پر استدلال کرتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ اگر آپ واقعی عادل اور امین ہیں تو اسی حدیث میں آگے چل کر خمس کا جو حکم بیان ہوا ہے، اس کو بھی اسی جوش وجذبے کے ساتھ عوام کے سامنے بیان کریں۔ یہ بڑی عجیب قسم کی ایمانداری ہے کہ جب تقلید اور ولایت فقیہ کی بات ہوتی ہے تو علماء وفقہاء اس حدیث سے چپک جاتے ہیں اور جب اسی حدیث کے اگلے حصے سے یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ حضرت حجت علیہ السلام نے اپنے زمانہ غیبت میں خمس کی ادائیگی معاف کر دی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ حالانکہ یہ حدیث ایسی حدیث ہے جو حضرت حجت علیہ السلام نے تحریری شکل میں بیان فرمائی ہے۔ جو حدیث کسی امام معصوم نے زبانی بیان فرمائی ہو اس کے بارے میں تو یہ امکان ہوسکتا ہے کہ راوی نے بھول چوک سے کچھ احادیث کو آپس میں خلط ملط کر دیا ہو اور کسی ضعیف حدیث کا کوئی حصہ کسی صحیح حدیث کے ساتھ مخلوط ہو گیا ہو۔ لیکن جو حکم امام معصوم علیہ السلام نے تحریری طور پر بیان فرمایا ہو اور اس پر دستخط کر کے اس پر مہر مبارک بھی لگا دی ہو اس کے بارے میں یہ بات خارج از امکان ہے۔

اس حدیث پر ہم اپنی کتاب ''تحقیق مسائل تقلید'' میں تفصیل سے بات کر چکے ہیں۔ تفصیل جاننے کے خواہشمند مومنین ومومنات وہاں رجوع فرمائیں۔

☆☆☆

ایک سوال اوراس کا جواب:

اب ممکن ہےکوئی سوال کر دے کہ اگر کسی ملک کےلوگ اپنی جانوں کے نذرانے دے کر علماء وفقہاء کو برسر اقتدار لے آئیں اوران کی حکومت واقتدار کوتسلیم کرلیں توآپ کوکیااعتراض ہے؟

جواب: ہمیں بالکل کوئی اعتراض نہیں ہے۔ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ جن دلائل سےفقیہ کی حاکمیت پر استدلال کیاجاتاہےاور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حکومت اوراقتدار مولوی صاحبان ہی کاحق ہے،ان سے یہ مدعاہرگز ثابت نہیں ہوتا۔اس سے ہٹ کرکوئی بھی قوم جس کسی کو چاہےاپنا حاکم بنالے یہ اس قوم کا جمہوری حق اور اس کا اندرونی معاملہ ہے۔ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر کسی شیعہ اکثریت کے ملک کےلوگ اپنے معاشرے میں فقیہ کی حمایت کر کے اس کی حکومت قائم کرلیں تواس فقیہ کی حکومت اسی ملک تک محدود ہوگی جس کےعوام نے اسے اپنا ولی اور حاکم بنایا ہے۔اس ملک سے باہر کسی دوسرے ملک پراس کی کوئی ولایت وحاکمیت نہیں ہو گی۔اس موضوع سےمتعلق راقم نے 25 مارچ 2012 ایران کے ولی فقیہ آیت اللہ سید علی خامنہ ای کوولایت فقیہ کے بارے میں چھ سوال بھیجے گئے تھے جن کا انہوں نے جواب نہیں دیا۔یہ چھ سوال ایک الگ پمفلٹ کی صورت میں موجود ہیں۔

پاکستان جیسا ملک جس میں شیعہ آبادی بمشکل دس فیصد ہے اس میں پاکستان کےشیعہ عوام کے لیے ولایت فقیہ قائم کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں کسی بھی قسم کے مذہبی طبقے اور مولوی صاحبان کی حکومت قائم نہیں ہوسکتی اور نہ ہی ہونی چاہیے۔اس لیے کہ جتنی جماعتیں بھی یہاں اسلام کے نام پراقتدار حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں ماررہی ہیں وہ سب فرقہ وارانہ جماعتیں ہیں،ان سب کاتعلق کسی نہ کسی فرقے سے ہےاوروہ اسلام کی بالادستی کی بجائے اپنے فرقہ کی بالادستی پریقین رکھتی ہیں۔فرقہ واریت میں گرفتار مولوی صاحبان نہ خلفائے رسول ہیں اور نہ ہی رسولوں کے امین۔اگران میں سے کسی کی حکومت قائم ہونے کا کوئی امکان پیدا بھی ہوجائے تو دوسری اقتدار پرست مذہبی سیاسی جماعتیں ایسا نہیں ہونے دیں گی اس لیے کہ کسی اور مذہبی گروہ کی بالادستی کوقبول کرنا ان کے لیےممکن ہی نہیں ہے۔پاکستان کےعوام،خواہ ان کاتعلق کسی بھی فرقے،صوبے،یالسانی گروہ سے ہو،اپنے سیاسی شعورکو بیدار کریں اور جمہوری طریقے سے پاکستان کے آئین

کے مطابق ایسی لبرل سیکولر جمہوری حکومت قائم کریں جس کی نظر میں سب پاکستانی برابر ہوں، جو بلا تفریق مذہب و فرقہ ہر شہری کے حقوق کی حفاظت کرنے کی ذمہ دار ہو۔ پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کا یہی حل ہے۔ یہاں کوئی نظام خلافت، نظام ولایت یا کوئی اور ''اسلامی نظام'' قائم نہیں ہوسکتا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان سے مسائل کا خاتمہ کرنے کے لیے حکومت واقتدار ملاؤں کے حوالے کر دیا جائے وہ یا جاہل ہیں یا فریب کار۔

قارئین محترم یہ تھا ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کے دلائل کا ایک جائزہ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ان روایات سے کسی بھی طور پر مُلاؤں کے اقتدار کا کوئی نام ونشان تک نہیں ملتا۔ جیسا کہ ہم تمہید میں بیان کر چکے ہیں کہ ان روایات سے ولایت فقیہ بمعنی فقیہ کی بے قید وشرط حاکمیت ثابت کرنا شیعہ اجتہاد کی تاریخ کی سب سے بڑی اجتہادی غلطی ہے۔ ان احادیث سے ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ ثابت کرنے والوں کی حدیث فہمی اوران کی صلاحیت اجتہاد کے سامنے بھی سوالیہ نشان کھڑا ہوجاتا ہے۔

بعض اوقات ان روایات سے ہٹ کر کچھ اور دلائل بھی دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آیا حاکم کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اللہ کے احکام کے مطابق حکومت کرے؟ اگر ضروری ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کرنا علماء کا حق ہے اسی لیے کہ وہ اللہ کے احکام کا علم رکھتے ہیں۔

اس قسم کی باتیں دلائل نہیں بلکہ درحقیقت فریب کاری اور گمراہ کن مغالطہ انگیزی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔ اگر کسی ملک میں کوئی آئین اور پارلیمان نہ ہو اور وہاں کسی بادشاہ کی شخصی حکومت قائم ہو وہاں تو شاید یہ بات کہنے کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہو کہ بادشاہ اور حاکم جو کسی آئین وقانون کا پابند نہیں ہے اور کسی پارلیمان کے سامنے جواب دہ نہیں ہے، بلکہ جو وہ کہتا ہے وہی ہے حکم اور قانون ہے لہٰذا حاکم کے لیے احکام خدا کا عالم ہونا ضروری ہے۔ لیکن جہاں شخصی حکومت نہ ہو، بلکہ جمہوریت ہو، تحریری شکل میں آئین بھی موجود ہو، پارلیمان اور آزاد و بااختیار عدلیہ بھی موجود ہو، وہاں یہ بات بے معنی ہوجاتی ہے۔ یہ استدلال کچھ ایسا ہی ہے کہ کسی ملک کے وکلاء اور قانون دان حضرات یہ کہنا شروع کر دیں کہ ملک کا نظام قانون کے مطابق چلنا چاہیے اور چونکہ ہم قانون دان ہیں لہٰذا حکومت کرنا ہمارا حق ہے۔ دنیا کے ہر مہذب معاشرے میں اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ حکومت قانون کے مطابق ہونی چاہیے لیکن اس کے باوجود کہیں کوئی یہ نہیں کہتا کہ حکمران کے لیے ضروری ہے کہ اس نے

قانون کی تعلیم حاصل کی ہواور اس میں ڈگری لے رکھی ہواور آئین و قانون کا اعلیٰ درجے کا ماہر ہو۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر اس استدلال کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے احکام کے مطابق حکومت کرے۔ اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ مولوی اور مجتہد بھی ہو۔ یہ بات صرف حکومت تک نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے کے لیے ہے کہ انسان جس بھی شعبے میں ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرے۔ انسان اپنے خاندان کا سربراہ ہو، شوہر ہو، بیوی ہو، باپ ہو، بیٹا ہو، تاجر ہو، خریدار ہو، مزدور ہو، آجر ہو، سرمایہ دار ہو، جو کچھ بھی اس کے لیے لازم کے کہ وہ اپنے شعبے میں اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ضرور مولوی اور مجتہد بھی ہو؟ گھر کا نظام اللہ کے قانون کے مطابق چلنا چاہیے اس میں کوئی شک نہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر گھر کا سربراہ مجتہد ہو؟

ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کے بعض طرفداروں کی طرف سے اس قسم کے استدلال بھی سنے گئے ہیں کہ اگر ولایت فقیہ نہ ہو تو کیا ہمارے ملک پر فاسقوں اور جاہلوں کی حکومت ہونی چاہیے؟ یہ بات بھی ایک گمراہ کن مغالطہ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ اس استدلال کی رو سے گویا معاشرے میں موجود انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں: فقیہ اور جاہل فاسق۔ اب اگر فقیہ کی حکومت نہیں ہوگی تو لامحالہ فاسق جاہلوں کی حکومت ہوگی۔ چونکہ جاہل فاسقوں کی حکومت نہیں ہونی چاہیے لہٰذا ثابت ہوا کہ فقیہ کی حکومت ضروری ہے۔

سوال یہ ہے کہ جو لوگ فقیہ یعنی مجتہد نہیں ہیں کیا وہ سب کے سب جاہل اور فاسق ہیں؟ پیش نماز کے لیے عادل ہونا ضروری ہے۔ کیا ایران، عراق، پاکستان، ہندوستان اور دنیا کے دیگر علاقوں کی شیعہ مساجد کے سب پیش نماز مجتہد اور فقیہ ہیں؟ اگر فقیہ اور مجتہد کے علاوہ سب لوگ فاسق ہوں تو ان سب پیش نمازوں کا اور ان کے مقتدیوں کیا بنے گا جو فقیہ اور مجتہد نہیں ہیں؟ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ مجتہد نہیں ہیں وہ سب جاہل فاسق ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ بہت سے غیر مولوی حضرات بہت سے مولوی صاحبان سے زیادہ صاحب علم اور صاحب تقویٰ ہوتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حکومت باتقویٰ اور صاحب علم افراد کے ہاتھ میں ہونی چاہیے لیکن ضروری نہیں کہ وہ مولوی ہوں۔ بلکہ حالات و واقعات نے تو یہ ثابت کر دیا ہے کہ ضروری ہے کہ وہ مولوی نہ ہو۔ اس لیے کہ مولوی صاحبان کی غالب اکثریت میں ایک خاص قسم کی تنگ نظری پائی جاتی ہے جس کا نتیجہ اور اثر یہ

ہوتا ہے کہ اقتدار مل جانے کی صورت میں وہ اور کچھ کر سکیں یا نہ کر سکیں عدل نہیں کر سکتے۔

ایک مسلم معاشرے اور ملک کا نظم ونسق اور معاملات اسلام کے احکام کے مطابق ہونے چاہیئیں اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اس کے لیے ملاؤں کی حکومت کا ہونا بالکل ضروری نہیں ہے۔ یہ کام ملاؤں کی حکومت کے بغیر زیادہ اچھی طرح ہوسکتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے ہمدانی سادات کے جدامجد میر سید علی ہمدانی رحمت اللہ علیہ نے مسلم حکمرانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام ہے ذخیرۃ الملوک۔ اگر مسلم مما لک کے حکمران اس کتاب میں بیان کئے گئے اصولوں کے مطابق عملی کریں تو ان کا ملک اور معاشرہ ملاؤں کی حاکمیت اور ولایت مطلقہ کے بغیر بہترین اسلامی فلاحی مملکت بن جائے گا۔

پاکستان کے مسائل اور مشکلات کا حل اور پاکستانی قوم کی فلاح و بہبود کے لیے سب سے مناسب راستہ یہ ہے کہ یہاں آئین کی بالادستی قائم کی جائے، حکومت، اپوزیشن، عدلیہ، الیکشن کمیشن، انتظامیہ اور دیگر ادارے آئین کے مطابق کام کریں۔ یہی پاکستان کے مسائل کا حل ہے اور اس کے لیے ضروری ہے پاکستان میں قانون کی پابندی کی روایت کو فروغ دیا جائے اور قانون شکنی کے رجحان کا خاتمہ کیا جائے۔ جس معاشرے میں لوگ قانون سے بالاتر ہونے کو اپنے معزز اور برتر ہونے کا معیار سمجھتے ہوں وہ معاشرہ کبھی ترقی نہیں کرسکتا۔ پاکستان میں رہنے والے سب لوگوں کو یہ بات واضح طور پر جان لینی چاہیے کہ پاکستان کا مستقبل صرف ایک چیز میں ہے: آئین وقانون کی حاکمیت و بالادستی اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام۔

آخر میں سب پاکستانی بہن بھائیوں سے گزارش ہے کہ آپ کا تعلق کسی بھی فرقے سے ہو، یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ پاکستان میں اسلامی حکومت نام کی کوئی چیز قائم نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے نام پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے جتنی جماعتیں سرگرم عمل ہیں وہ سب کی سب فرقہ وارانہ جماعتیں ہیں ان کا مقصد اپنے فرقے بلکہ اپنے دھڑے کی بالادستی قائم کرنا ہے۔ اسلام سے انہیں کوئی غرض نہ تھی نہ ہے نہ ہوگی۔

یہاں نظام خلافت، نظام ولایت، نظام مصطفیٰ، نفاذ اسلام اور اس طرح کے جو بھی نعرے لگائے جاتے ہیں وہ سب کے سب صرف اور صرف جھوٹ اور فریب کاری ہیں۔

والسلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ